273/20.

Gulghanabad Brom

انار کلی



امتیاز علی تاج

عنوان

سول ایجنٹ :- اسرار بک ڈپو دہلی ۱۱۰۰۰۶

قیمت :- ۸/- آٹھ روپے

مطبوعہ
نیو لیتھو آرٹ پریس دہلی

ناشر

ہمالیہ بک ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی ۱۱۰۰۰۶

حجاب اسمٰعیل کے نام

اتنا مختصر خط نہ اس سے پیشتر کبھی لکھا نہ آئندہ
لکھوں گا۔ لیکن جن مخلصانہ جذبات کا اظہار مقصود ہے وہ
ایک لفظ میں بھی ادا ہو سکتے ہیں۔ اس مختصر عریضے کو
شرف قبولیت بخشئے۔ کتاب کا پڑھنا ضروری نہیں۔
اسے ایک ضمیمہ سمجھئے طویل مگر بے معنی۔

امتیاز
ستمبر ۱۹۳۱ء

دیباچہ

میں نے انارکلی ۱۹۲۲ء میں لکھا تھا۔ اس کی موجودہ صورت میں تھیٹروں نے اسے قبول نہ کیا جو مشورے ترمیم کے لیے انھوں نے پیش کیے انھیں قبول کرنا گوارا نہ کیا۔ مغربی ڈرامہ کے مطالعہ کے بعد دس سال پہلے بھی اسے طبع کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور ڈرامہ کی حالت دیکھتے ہوئے آج بھی اسے طبع کرانے میں تامل نہیں۔

جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں تاریخی اعتبار سے یہ قصہ بے بنیاد ہے۔ لاہور میں محکمہ آثارِ قدیمہ کی طرف سے انارکلی کے مقبرے میں اس کی داستان ایک فریم میں لگی ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

لاہور کا سول اسٹیشن انارکلی کے نام سے مشہور ہے یہ شہنشاہ اکبر کے حرم میں نادرہ بیگم یا شرف النسا بیگم ایک منظور کنیز کو ملا تھا۔ ایک روز اکبر شیش محل میں بیٹھا تھا۔ نوجوان انارکلی اس کی خدمت میں مصروف تھی تو اکبر نے آئینوں میں دیکھ لیا وہ سلیم کے اشاروں کا جواب تبسم سے دے رہی ہے۔ بیٹے سے مجرمانہ سازش کے شبہ پر شہنشاہ نے اسے زندہ گاڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں اسے مقررہ مقام پر سیدھا کھڑا کر کے اس کے گرد دیوار چن دی گئی۔ سلیم کو اس کی موت کا بیحد صدمہ ہوا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد اس نے انارکلی کی قبر پر ایک عالیشان عمارت بنوا دی۔ اس کا تعویذ خالص سنگِ مرمر کی ایک ہی سل سے بنا ہوا ہے جو اپنے حسن کے لحاظ سے غیر معمولی اور نقش کے اعتبار سے نادر روزگار ہے۔

بقول الیسٹوک کے یہ تعویذ دنیا میں سنگ تراشی کے بہترین نمونوں میں سے ہے۔ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کے ۹۹ صفحات کندہ ہیں۔ پہلوؤں پر یہ شعر کھدا ہوا ہے۔ جو انارکلی کے عاشق شاہِ جہانگیر نے خود کہا ہے۔

" تا قیامت شکر گویم کردگارِ خویش را
آہ گر من باز بینم روئے یارِ خویش را
مجنون سلیم اکبر

ایک دوسرے فریم میں اس عمارت کی تاریخ لکھی ہے۔ کہ کسی زمانے میں اس عمارت سے نام لیا گیا۔ اس سلسلے میں انارکلی کے زندہ گاڑنے کی تاریخ ۱۵۹۹ء اور مقبرے کی تکمیل کی تاریخ ۱۶۱۵ء درج ہے۔ یہ داستان نہ معلوم کب اور کیونکر ایجاد ہوئی اور لاہور کی جن تواریخ میں اس کا تذکرہ ہے ان میں کہاں خود داستان میں اندرونی شہادتوں کی بنا پر کئی ایسے خالص ہیں جن کی وجہ سے یہ فریب اس نہیں ہوتی لیکن ان امور پر مؤرخ مجھ سے بہتر بحث کر سکتا ہے۔

میرے ڈرامے کا تعلق محض روایت سے ہے بچپن سے انارکلی کی فرضی کہانی سنتے رہنے سے حسن عشق اور ناکامی اور نامرادی کا جو ڈرامہ میرے تخیل نے مغلیہ حرم کی شوکت و تجمل دیکھا اس کا اظہار ہے۔ اب تک جن لوگوں نے اسے۔

یہ ٹریجڈی سلیم اور انارکلی کی ہے یا اکبرِ اعظم کی لیکن "انارکلی" میں اتنی دلآویزی ہے۔ کہ نام تجویز کرتے وقت کسی دوسرے امر کو ملحوظ رکھنا میرے لئے ناممکن ہے۔

ہندوستان کے مایۂ ناز مصور اور میرے مخترم دوست عبدالرحمن چغتائی نے میرے مردہ الفاظ کے ساتھ اپنے زندہ نقوش کو شامل کر دیا ہے۔ یوں اس ڈرامے کی طباعت بھی میرے لئے ویسی ہی خوشی کی موجب ہے جیسا اس کا اسٹیج

پر آجانا میرے لئے ہوتا۔ وہ اسے اپنا احسان بھی نہ سمجھیں مگر میں اسے اپنے لئے فخر و عزت کا باعث بھی سمجھتا ہوں۔

میرے دوست غلام عباس صاحب اور مولانا چراغ حسن حسرت نے نظر ثانی اور طباعت کے دوسرے کاموں میں محبت اور سرگرمی سے دلچسپی لی۔ اس کا دلی شکریہ ادا کئے بغیر میں یہ دیباچہ ختم نہیں کر سکتا۔

سید امتیاز علی تاج
۷۔ ریلوے روڈ۔ لاہور

افراد

جلال الدین محمد اکبر	شہنشاہِ ہند
سلیم	اکبر کا بیٹا اور ولی عہد
بختیار	سلیم کا بے تکلف دوست
رانی	اکبر کی راجپوت بیوی اور سلیم کی ماں
انارکلی	حرم سرا میں اکبر کی منظورِ نظر کنیز
ثریا	انارکلی کی چھوٹی بہن
انارکلی کی ماں	....
دلآرام	انارکلی سے پہلے اکبر کی منظورِ نظر کنیز
زعفران	حرم سرا کی ایک شوخ کنیز
ستارہ	حرم سرا کی کنیز - زعفران کی سہیلی
مروارید	حرم سرا کی کنیز۔ دلآرام کی رازدار
عنبر	حرم سرا کی کنیز - دلآرام کی رازدار
خواجہ سرا کافور	کنیزوں کا داروغہ

(داروغۂ زندان، خواجہ سرا، بیگمیں، کنیزیں وغیرہ)

مقام	قلعۂ لاہور
زمانہ	۱۵۹۹ء کا موسمِ بہار

٭............٭

مناظر

باب اوّل	عشق
منظر اوّل	حرم سرا اور پائیں باغ کے درمیان ایک بارہ دری
منظر دوم	سلیم کا ایوان
منظر سوم	حرم سرا میں ایک غلام گردش
منظر چہارم	حرم سرا کا پائیں باغ
باب دوم	رقص
منظر اوّل	سلیم کا ایوان
منظر دوم	انارکلی کا حجرہ
منظر سوم	قلعہ لاہور کا ایوان
منظر چہارم	شیش محل
باب سوم	موت
منظر اوّل	سلیم کا ایوان
منظر دوم	زنداں
منظر سوم	اکبر کی خواب گاہ
منظر چہارم	زنداں کا بیرونی منظر
منظر پنجم	سلیم کا ایوان

باب اوّل منظر اوّل

مغلِ اعظم جلال الدین محمد اکبر شہنشاہِ ہند کی محل سرائے میں موسمِ بہار کی ایک ظہر کی نماز ادا ہوئے ڈیڑھ گھنٹے کے قریب وقت ہو چکا ہے ستونوں اور محرابوں کے سائے طویل ہونے شروع ہو گئے ہیں بیگمیں دوپہر کی استراحت ختم کرنے والی ہیں معمر خادمائیں دوسرے وقت کے کاموں میں مصروف ہو چکیں۔ لیکن ابھی رونق اور چہل پہل کا وہ ہنگامہ برپا نہیں ہوا جو مشرقی حکمرانوں کی محل سراؤں کو نشاط و طرب کی دنیا بنائے رکھتا ہے۔

ایک کشادہ اور بلند بارہ دری جو حرم کے جدید حصے تعمیر ہو جانے کے باعث اب بیگموں کے استعمال میں نہیں رہی الگ تھلگ اور صحنِ حرم سے دور ہونے کی وجہ سے نوجوان کنیزوں اور خواصوں کی مرغوب آرام گاہ ہے جہاں وہ اس وقت بھی بڑی بوڑھیوں کی نظروں اور طعنوں سے محفوظ ہو کر اپنی فراغت کا بقیہ وقت اطمینان اور بے فکری سے گزار رہی ہیں۔

کچھ بیٹھی چوسر کھیل رہی ہیں کچھ شطرنج کی چالوں میں دنیا و مافیہا سے غافل ہیں۔ ایک والی نے پاندان کھول رکھا ہے۔ کبھی پان لگا کر کھاتی ہے کبھی چھالیہ کترتے کترتے آرسی میں کی دھڑی معائنہ کر سکتی ہے۔ جنہیں بیگموں سے سلیقہ اور سگھڑاپے کی داد ملتی ہے ان میں سے کوئی اپنی شہرت برقرار رکھنے کی فکر میں سرگرداں ہو رہی ہے کوئی پرانے دوپٹہ کو نئے سرے سے رنگوا کر اس پر لچکہ ٹانک رہی ہے جنہیں ملازمانہ زندگی کے سرد و گرم اور گرانباریوں نے بے حس بنا دیا ہے۔ ان کے نزدیک فراغت کا بہترین مصرف نیند ہے لیکن اس مقام کی خلوت کا پورا فائدہ زعفران اور ستارہ اٹھا رہی ہیں۔ چنچل اور منہ پھٹ لڑکیاں ہیں گانے بجانے کی شوقین دانوں کے ترت چہرے کی کیفیات ادا کرنے سے دلچسپی ہے۔ اس وقت سب بندشوں سے آزاد ہو کر ستارہ کے ساتھ

گا رہی ہیں اور بھیم پڑوں کا زور گیت کی نسبت تحسین باہمی میں زیادہ صرف کر رہی ہیں۔

دوسری طرف، دلآرام، مروارید اور عنبر ایک کونے میں بیٹھی، رازدارانہ انداز میں سرگوشیاں کر رہی ہیں۔ دلآرام پیڑھی پر بیٹھی اپنے پختہ حسن کے اعتبار سے نہ صرف ہمزادوں میں بلکہ تمام محفل میں نمایاں نظر آرہی ہے۔ لمبی آنکھ اونچی اور پتلی ناک اور واضح ٹھوڑی کہہ رہی ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں، زندگی کی روایتی شدت میں ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ہزیمت کے آثار و تفکرات نے چہرے کو بے رونق بنا رکھا ہے۔ لیکن آنکھوں میں تصورات کا لوچ ظاہر کر رہا ہے کہ بساط سے بڑھ کر سوچ رہی ہے۔

دلآرام۔ گفتگو کے دوران میں دو ایک مرتبہ بے چین ہو کر زعفران اور ستارہ کی طرف یوں دیکھتی ہے۔ گویا ان کے شور و غل سے پریشان ہے پر چپ ہو لیتی ہے آخر نہیں رہا جاتا۔ لے ہے تو یہ ایک گلا پھاڑ پھاڑ کر گا رہی ہیں کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔

مروارید۔ دلآرام کی پہل سے حوصلہ پا کر، دوپہر میں دو گھڑی کا آرام بھی تو کمبختوں نے حرام کر دیا ہے۔

زعفران۔ تمہیں

مروارید۔ صرتچا گھر کا گھر سر پر اٹھا رکھا ہے بات کرنی دشوار کر دی ہے ابھی بیچاری کچھ کہہ نہیں رہی ہیں۔

زعفران۔ پھر جسے باتیں کرنی ہوں وہ کہیں اور جا بیٹھے۔

عنبر۔ مگر یہ تان سین کی بچی گائے گی ضرور۔

زعفران۔ ستارہ پھر سے چھیڑنے کو تھی۔ مگر عنبر کی گالی بھلا کیسے سن لے۔ منہ سنبھال کر بات کر عنبر واہ بڑی آئیں کہیں کی گالیاں دینے والی تو ہی لگتی ہو گی تان سین کی کوئی ہوتی ہو گی۔

دلآرام۔ نہیں مانے گی زعفران چٹر پٹر بکے جا رہی ہے میں جا کر چھوٹی بیگم سے کہہ دوں گی۔

زعفران۔ آ لے تو منع کس نے کیا ہے ایک بار نہیں ہزار بار۔

ستارہ ۔ مصالحت کے ناصحانہ انداز میں چلو زعفران ہمیں جو چلے چلیں باغ میں چل کر بیٹھتے ہیں ۔

زعفران ۔ ہٹو اتنی مختصر چھپر پہ سے دل کا غبار کہاں نکل سکتا ہے ۔ اب نہ وہ دن گئے جب کمان چڑھی رہتی تھی ۔ اب بیگموں سے بلت تو کر کے دیکھیں کوئی منہ بھی نہ لگائے گا ۔ جس قدر ان کے منہ چڑھی ہیں ، ویسے ہی گری بھی ہیں ۔ بہتیرا شیخو کو لبھاتی ہیں ۔ بیگموں کی خوشامد میں لگی رہتی ہیں ۔ کوئی بھی گھاس نہیں ڈالتا ۔ آئی کہیں کی !

دوسری کنیزیں جو اس بحث میں شامل نہیں مگر متوجہ ضرور ہیں ، زیر لب تبسم اور اشاروں کنایوں سے زعفران کی جرأت کی داد دیتی ہے ۔

ستارہ ۔ اے ہے زعفران تم تو نیچے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی ہو ۔

(ستارہ زعفران کے ہاتھ سے لے لیتی ہے کہ اسے کلام سے بچانے کے شغل میں مصروف کر لے)

زعفران ۔ کیوں دبوں کسی سے ۔ بہت دن ان کی ناز برداریاں کیں اب تو انارکلی کی بہار ہے ۔ ان سے ڈرے میری جوتی ۔

دلآرام ۔ چل کر کھڑی ہو جاتی ہے اچھا ٹھہر تو تو مردار یہ جو یہ کتر کتر کرتی ہے جیبھ ہی نہ کھینچ لوں تو سہی ۔

زعفران ۔ ذرا منہ تو بنوا کر آؤ ۔

(ستارہ زعفران کو بچانے کے لئے کھینچتی ہے)

عنبر ۔ (اٹھتے ہوئے) چڑیل مردار یہ ۔!

زعفران ۔ پی ، پی ، پی ، پی ۔

(منہ چڑا دیتی ہے ستارہ منہ پڑائی کو زبردستی کھینچ لیتی ہے ، دوسری کنیزیں بہ مشکل اپنی ہنسی روکتی ہیں ۔ دلآرام اور عنبر خون کے سے گھونٹ پی کر اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہیں اس درمیان میں چوسر کھیلنے والی لڑکیوں میں سے ایک کی آواز آتی ہے ۔

کیوں کیسی رہی ۔

شطرنج کھیلتے میں سے ایک کہتی ہے " اب چلو کہاں چلتی ہو " دلآرام عنبر ادھر مرواریدہ
ذرا خاموش رہتی ہیں۔ اور پھر رازدارانہ انداز میں سرگوشیاں کر دیتی ہیں۔
مروارید ۔ دیکھا! میں نہ کہتی تھی۔ نقشہ ہی بدل گیا ہے۔
عنبر ۔ محل کا محل ہاں مروارید کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔
مروارید ۔ پھر اس میں کسی کا کیا قصور۔ دلآرام نے آپ ہی تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔
عنبر ۔ (کسی قدر توقف سے) میں کہتی ہوں ۔ یہ تمہیں چھٹی لینے کو سوجھی کیا تھی ؟
دلآرام ۔ اب مجھے کیا خبر۔ ذرا سی چھٹی میں رنگ ہی بدل جائے گا (تامل کے بعد) مجھے معلوم
ہوتا تو بیماری پڑی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم بھی توڑ دیتی ۔ میں پاس نہ پھٹکتی۔
عنبر ۔ بہن کے پیچھے مفت میں ہی بات کھو دی۔
دلآرام ۔ کچھ دیر متفکرانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھی رہتی ہے مگر سان گمان یہ کایا پلٹ ہوئی تو کیونکر۔
عنبر ۔ ہوئی کیونکر۔ رات کو جشن تھا ۔ نادرہ نے میدان جو ہم سے خالی دیکھا ،
خوب بن ٹھن کر جا شامل ہوئی۔
مروارید ۔ بہن بھئی ایمان کی کہو نادرہ تو الگ تھلگ رہتی ہے اس کی
ماں اس کا بناؤ سنگھار کر کے لے گئی۔
عنبر ۔ وہ ایک ہی بات ہے بیٹی گئی یا ماں لے گئی ایک تو کمبخت تھی ہی چاند
کا ٹکڑا ۔ سونے پر سہاگہ سنگار قیامت بن گئی۔
مروارید ۔ پھر جو گانا وغیرہ سنایا اور جہاں پناہ سے دو ایک چوچلے کئے۔
عنبر ۔ تو جہاں پناہ تو ہم جانوروں کا دل رکھنے کو ہر ایک کی تعریف کر ہی دیتے
ہیں کہنے لگے نادرہ تم تو انار کلی معلوم ہوتی ہو۔
مروارید ۔ اور اس گانے اور حاضر جوابی سے خوش ہو کر اپنا موتیوں کا ہار انعام میں
بخشا ۔ پھر کیا تھا بل پھر میں تمام محفل " انار کلی " کے نام سے گونج اٹھی۔

کافور۔ (پائیں باغ کی ڈیوڑھی میں سے) عنبر! اے مروارید! اری او ماہ پارہ!

دلآرام فکرمندی سے مگر بظاہر بے پرواہ بن کر صاحبِ عالم بھی جشن میں موجود تھے؟

عنبر۔ جھوم جھوم کر انارکلی کی ماں کو داد دے رہے تھے!

کافور۔ (یہیں ڈیوڑھی میں غل مچا رکھا ہے۔ اے اللہ! کہاں مر گئیں یہ نامرادیں؟

راحت۔ (کھیل سے سر اٹھا کر) سنا نہیں بی کافور پکار رہی ہیں۔

مروارید (سر موڑ کر بے پروائی سے) کوئی وقت ہے بھی جب نہ پکارتی ہوں۔

کافور (دلآرام کو متامل دیکھ کر) دم خم باقی ہے کہ دب رہو گی؟

دلآرام۔ اس کل کی چھوکری سے؟

عنبر۔ پھر کیا کرو گی آخر؟

دلآرام (سامنے گھورتے ہوئے) ناگن کی دم پر کوئی پاؤں رکھ دے تو وہ کیا کرتی ہے

مروارید۔ آخر، کنیزوں کا داروغہ خواجہ سرا کافور داخل ہوتا ہے۔ لحیم شحیم شخص سیاہ رنگت آنکھوں کے پپوٹے اور باچھوں پر ایسی جھریاں جن سے عیاری ظاہر ہے۔ دلآرام اسے دیکھ کر انگلی ہونٹوں پر رکھ لیتی ہے اور عنبر اور مروارید کو چپ رہنے کا اشارہ کرتی ہے۔

کافور۔ اری مروارید! اللہ ماریو! کانوں میں کیا روئی ٹھونس کر بیٹھی ہو چیخ چیخ کر گلا آ گیا جو کوئی بھی بھوٹے منہ سے ہنکارا بھر لے۔ ہائے کہیں کے کہیں پہنچ گئے عمر کی اڈانیں ہو گئیں بھیے جوان نگوڑے مارے کھیلوں کو چوٹھے میں نہ جھونک ڈالوں نہ دین کی نہ دنیا کی۔ نہ کام کا ہوش نہ سر پیر کا فکر۔ دن بھر بیٹھی کھیل رہی ہیں، اور دل ہی نہیں بھرتا۔ اے تم غارت ہو کمبختو، جیسا تم نے مجھ بڑھیا کو ستایا ہے۔

(کنیزیں سب چیزیں سمیٹ سماٹ کر بھاگ جاتی ہیں)

دلآرام۔ چلتے چلتے آہستہ سے عنبر سے) دیکھنا آج کی بات کی بھنک بھی کسی کے کان میں نہ پڑے۔ عنبر۔ نشاط خاطر رکھو۔

کافور۔ (دلآرام سے) یہ تم کھڑی کیا مسکراہٹ کر رہی ہو سُنا نہیں میں نے کیا کہا؟

دلآرام (چڑ کر) سُن لیا! سُن لیا!

کافور۔ سُن لیا تو اب کسی اور طرح سمجھانے پر سمجھو گی؟

دلآرام (دبے ہوئے غصے سے) دیکھو بی کافور ہوش میں رہ کر بات کیا کرو مجھ سے میں نہ سہوں گی یہ بدزبانیاں۔

کافور۔ کیوں تم میں کوئی سُرخاب کا پَر لگا ہے؟ اسے کیا اب تک اسی بات پہ پھولی ہو کہ کبھی ظلِ الٰہی کے حضور میں باریابی حاصل تھی۔ اس دھوکہ میں نہ رہنا۔ ہو چکی ڈھائی پہر کی بادشاہت اب ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جاؤ گی۔ اُف وہ رے دماغ کہ میں نہ سہوں گی یہ بدزبانیاں۔

دلآرام۔ وقار سے۔ بی کافور میں ظلِ الٰہی کی نظروں سے اتر گئی سہی پر ان کی یاد سے ابھی نہیں اتری۔ (دلآرام کی وقار آمیز گفتگو سے کسی قدر مرعوب ہو کر)

اے تو میں نے تمہیں ایسی کیا بُری بات کہہ دی کہ بگڑ بیٹھیں اتنا ہی کہا تھا نہ کہ بیٹی باتیں پھر کسی وقت کر لینا۔ اب چل کر اپنا کام کرو۔

دلآرام کے چہرے پر حقارت کا ایک خفیف سا تبسم نمودار ہوتا ہے اور وہ استغنا سے سر اٹھائے عنبر اور مروارید کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے۔

کافور۔ میدان خالی دیکھ کر آپ ہی آپ بول کر دل کی بھڑاس نکالتا رہ جاتا ہے)

ذرا ذرا سی بات پر ان لوگوں کے ماتھوں پر بل پڑ جاتے ہیں۔ وقت بے وقت پھر تیار نہ ملے تو شامت میری آجاتی ہے۔ لوگو! یہ تو بڑا غضب ہے کہ زبان ہلاؤ تو گنہگار بن جاؤ چپ رہو تو عتاب میں جاؤ۔

انارکلی کی ماں داخل ہوتی ہے۔ سیدھی سادھی پریشان ہو جانے والی پختہ عمر عورت جسے محل کی شوخ طبع کنیزیں محض اس وجہ سے نہیں بتاتیں کہ سلیم الطبعی اور تہذیب کے علاوہ

اپنے طور طریقوں اور برتاؤ سے خاندانی عورت معلوم ہوتی ہے۔

ماں۔ کیوں بی کافور کیا ہوا؟ کیوں کھول رہی ہو آپ ہی آپ؟

کافور۔ نہیں تم نے اس قطامہ دلآرام کی دھمکیاں۔ کہ کام کا نقصان گیا تو جا کر ظلِ الٰہی سے لگائے بجھائے گی۔ میں نے کہا۔ ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ میری انارکلی کا دم سلامت رہے۔ میں کیا ایسی بھبکیوں سے سہم جاؤں گی۔ بیٹی! کہاں ہے؟ دن بھر کہیں نظر ہی نہیں آئی آج بیگمیں بھی کئی بار پوچھ بیٹھی ہیں۔

ماں۔ کیا کہوں مجھے تو اس لڑکی نے پریشان کر دیا ہے صبح سے کہہ رہی ہوں کہ بیٹی جا بیگموں کو سلام کر ہنس بول گم سم سنتی رہتی ہے۔ اور سیدھی نہیں ہوتی تمہیں کہو محل سراؤں میں کہیں یوں گزر ہو سکتی ہے؟

کافور۔ اے ابھی انجان ہی تو ہے رفتہ رفتہ سیکھ جائے گی۔

ماں (ذرا دیر چپ رہ کر) کہتی تو تھی۔ تم چلو میں آتی ہوں۔

کافور (رازدارانہ انداز میں) بیگموں سے ملنے سے کتراتی ہے تو تمہیں ادا کرنے کی کیا پڑی ہے ظلِ الٰہی کی خوشنودی حاصل ہو تو سمجھو سب کچھ ہے۔

ماں (فکرمندی سے) پر کے دن تک؟ لگنے والے بھی تاک میں رہتے ہیں۔

کافور۔ کسی کو باریاب ہونے کا موقع ہی کیوں دے؟

ماں۔ خدا جانے کچھ سوچ رہی ہے یا یونہی اداس ہے۔ اتنی سمجھدار ہوتی تو پھر رونا ہی کاہے کا تھا۔

کافور۔ اے چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے ادائیں سیکھنے کی اسے خاص نہیں۔

ماں (تامل سے) محل سراؤں میں بے ساختہ ادائیں کم نصیبی کا نشان ہوا کرتی ہیں۔

کافور۔ خدا نہ کرے خدا نہ کرے۔ تم میرے سپرد جو کر دو بیٹی کو۔

ماں۔ پھر سے کہے میں بھی ہو۔

کافور۔ دلوں میں لگادوں پر (سرگوشی میں) بیگمیں بھی منہ دیکھتی رہ جائیں۔

ماں (چونک کر کافور کو دیکھتی ہے۔ اور پھر اندیشہ ناک نظر سے ادھر ادھر تک کر انگلی ہونٹوں پر رکھ لیتی ہے)

کافور۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

ماں۔ چلنے کو مرتے ہوئے نہ ہوا۔ اللہ عزت آبرو سے اٹھائیے۔

کافور۔ تم جانو بے سر ملا پرندہ اڑتا نہیں سکتا۔ تو تیلیوں سے پر ٹکا کرتا ہے۔

ماں (رک کر کافور کو دیکھتی ہے) کیا مطلب؟

(سامنے دیکھتے ہوئے) انارکلی۔

انارکلی داخل ہوتی ہے۔ پندرہ سولہ سال کی نازک اندام لڑکی جس کی چمپئی رنگ میں اگر سرخی کی خفیف جھلک نہ ہو تو شاید بیمار سمجھی جائے۔ خدو خال شعراء کے معیار سلوک سے بہت مختلف اس کا چہرہ دیکھ کر ہر تخیل پسند کو پھولوں کا خیال ضرور آتا ہے۔ لیکن مغل اعظم نے اسے جو خطاب دیا اس کے باعث موزوں معلوم ہوا۔ تم ناک آنکھوں میں جیسے حسرتیں جھانک رہی ہوں۔ یہی اس کی سب سے عمدہ کشش ہے۔ انارکلی ملول اور افسردہ نظر آتی ہے اور باوجود کوشش کے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ دیر سے سوچ رہی تھی ابھی اسے بھول نہیں سکتی۔

ماں۔ اے لڑکی کہاں رہ گئی تھی تو؟

انارکلی۔ چلی تو آرہی ہوں۔

کافور۔ (بلائیں لے کر) اے قربان گئی۔ رات سے تمہیں دیکھنے کو جی ترس رہا ہے۔ بیٹی کو دیکھوں تو اس چاند سے مکھڑے پر انارکلی کا خطاب پھبتا کیا ہے۔

(انارکلی اداس تبسم کے ساتھ منہ پھیر لیتی ہے)

ماں۔ انارکلی کے جواب کے انتظار میں کچھ دیر توقف کر کے کیسا ہے جی؟

انارکلی۔ اچھی ہوں

کافور۔ اور بیٹی تم نے سُنیں اس حرافہ دلآرام کی باتیں۔ تمہیں انارکلی کا خطاب کیا ملا۔ بس جل مر رہی ہے۔ ابھی ابھی مجھ سے الجھ پڑی تھی۔ کہنے لگی۔ تم کس انارکلی پر پھولے پھر رہی ہو۔ میں اب بھی چاہوں تو ظلِ الٰہی سے کرا سکتی ہوں۔ میں نے کہا۔ لد گئے وہ دن اب ہماری انارکلی کا راج ہے۔

(انارکلی چپکی کھڑی سر جھکائے انگوٹھے سے انگلیوں کے ناخن ملتی رہتی ہے ماں اس کے جواب کی منتظر رہتی ہے۔)

ماں۔ آج کس سوچ میں ڈوبی ہوئی ہے تو۔

انارکلی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے۔ کسی سوچ میں بھی نہیں۔

ماں (بگڑ کر) پھر ایسی گم سم کیوں ہے؟

کافور۔ اے یونہی رات کی تکان ہوگی۔ جشن بھی بڑی دیر تک رہا رات کو تو۔ میں چلوں بڑا کام پڑا ہے۔ جانے وہ اللہ ماریاں کیا کر رہی ہوں گی (انارکلی کی بلائیں لے کر) خطاب بھی کیا سوچا ہے ظلِ الٰہی نے۔ انارکلی! واہ واہ (کافور ہنستا ہوا رخصت ہو جاتا ہے)

ماں (کافور کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی بگڑ کر) انارکلی!

انارکلی۔ جی اماں۔

ماں۔ دنیا کی تو انارکلی انارکلی کہتے کہتے زبان خشک ہوئی جا رہی ہے اور تجھے اتنی بھی توفیق نہیں کہ چھوٹے منہ دو بول شکریہ ہی کے کہہ دے یہ آخر تجھے ہو کیا گیا ہے؟

انارکلی۔ (انارکلی سر جھکا کر) کچھ بھی تو نہیں اماں بی تم کو تو وہم ہو گیا ہے۔

ماں۔ ہاں آج ہی تو ہوا انارکلی۔ کبھی نہیں ہوتا۔ ہنسنے بولنے کو جی۔

ماں۔ بھلا کوئی بات ہے۔ خوشی کے موقع پر ہنسنا نہ بولنا گم ہو جانا جو کوئی دیکھے گا سو نام دھرے گا۔

انارکلی (کسی قدر بگڑ کر) اب پڑا۔

ماں - تو بھی میں یوں تم کو ساتھ لے کر بیگموں کے پاس جاتی نہیں خود ہی پڑی آتی رہنا۔ اور نہیں تو - اتنی دفعہ کہا بیٹی جی نہیں پڑتا تو دل پر جبر ہی کر کے ذرا ہنس بول کر دکھا دے کو بندہ کیا نہیں کرتا - اب تیری سمجھ میں نہ آوے تو تو جان تیرا کام (ماں بگڑ کر چلی جاتی ہے)

انارکلی - (ملول نظروں سے اُسے رخصت ہوتے دیکھتی رہتی ہے) میری اماں! میں کیوں غمگین ہوں - اے کاش میں اپنا دل کسی طرح تمہارے سینے میں رکھ دیتی پھر دیکھتی تم کیسے کہتی ہو۔ تو انارکلی ہے خوش کیوں نہیں ہوتی؟ میں کیسے بتادوں - میں انارکلی ہوں میں اس لئے خوش نہیں ہوتی - تم نہیں سمجھ سکتیں میری اماں تم نہیں سمجھ سکتیں - جو کنیز بننے کو پیدا ہوئی ہو پھر وہ خوش کیوں ہو؟ وہ تو محبت میں جل مرنے سے بھی ڈرتی ہے - وہ تو ایک شہزادے کی طرف اس ڈر کے مارے نظر بھی نہیں اٹھاتی کہ کہیں اس کی آنکھوں میں محبت نہ دیکھ لے پھر بتاؤ تو وہ انارکلی ہوئی تو کیا -

(انارکلی پیڑھی پر بیٹھ جاتی ہے اور سر جھکا لیتی ہے)

(سورج محل کے دوسری طرف ڈھل چکا ہے - بارہ دری میں سے باغ کے چوسرہ دکھائی دیتے ہیں - ان کی سنہری سیاہ پڑ چکی ہے)

(ثریا داخل ہوتی ہے تیرہ سال کی چلتی ہوئی خوش باش اور چنچل لڑکی نقش انارکلی سے زیادہ اچھے ہیں - مگر وہ دلکش نہیں ہے - محل کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے حالات سن سن کر بہت سیانی بن چکی ہے مگر ناتجربہ کاری اور کم عمر کے باعث سیانے بن کے چھپانے کے انداز بھی نہیں آئے -

تم یہاں ہو بہن؟ نادرہ آپا!

کیوں ثریا -

(پیار سے) چلو نہ سب تم کو بار بار پوچھ رہے ہیں -

انارکلی - (افسردہ تبسم کے ساتھ) انارکلی جو ہوئی -

ثریا - کیوں آپا؟

انارکلی۔ سچ مچ بھلا کیوں؟ (چلنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے)

ثریا۔ (انارکلی کی کمر میں باہیں ڈال کر) چپ چپ کیوں ہو باجی؟

انارکلی (مسکرا کر ٹالتے ہوئے) نہیں تو ننھی۔

ثریا۔ (شوخی سے) ننھی تو مان جائے پر شہزادہ سلیم نہیں مانتے جی۔

انارکلی (چونک کر) صاحبِ عالم! تجھ سے ملے تھے؟ کب آج؟

ثریا (مزے لے کر) آج دوپہر وہ حرم میں آئے تھے بی انھیں راستے میں مل گئی تو کہنے لگے۔ تمہاری انارکلی نظر نہیں آئی۔ کہاں ہیں وہ آج؟ میں جواب نہ دینے پائی تھی کہ بولے ثریا وہ اتنی چپ چپ اور سب سے الگ الگ کیوں رہتی ہیں؟ یہ عادت ہے ان کی۔ یا انہی دنوں ان کی بھی یہ حالت ہو گئی ہے۔ پھر میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں جوش سے پکڑ کر کہنے لگے۔ ثریا کہہ دو کہ میری طرح انہی دنوں ان کی یہ حالت ہو گئی ہے۔

انارکلی۔ تو پھر تو نے کیا کہا۔

ثریا۔ میں نے کہا آپ کی طرح ان دنوں ان کی حالت ہو گئی ہے۔

(انارکلی کھوئی ہوئی چوکی پر بیٹھ جاتی ہے)

بس یہ سنتے ہی ان کا چہرہ گلابی ہو گیا اور خوشی کے جوش میں انہوں نے میری پیشانی چوم لی۔ انارکلی (ثریا کو تکتے ہوئے) چوم لیا تیری پیشانی کو؟

ثریا۔ ہاں، اور پھر ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ جلدی سے باہر چلے گئے۔

انارکلی۔ میرے اللہ! صاحبِ عالم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ تو جو کہہ رہی ہے وہ سچ ہے ثریا؟ (سوچتے ہوئے) پھر اس کا انجام کیا ہو گا؟

ثریا۔ (انارکلی سے لپٹ کر اور منہ اس کے کان کے قریب لا کر گویا ایک بہت بڑی بات کہنے والی ہے) انارکلی (یک لخت ثریا کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہمہ تن گوش ہو جاتی ہے۔) ثریا چپ دیکھ سُن۔

دونوں کوئی آواز سننے کے لئے کان لگا دیتی ہیں۔ توقف غیر معمولی معلوم ہوتا ہے۔

ثریا۔ کچھ بھی نہیں۔

ہلئے کچھ تھا میرا دل ڈوبا جاتا ہے ثریا میرے کانوں میں کوئی کہہ رہا ہے تو سوختہ اختر ہے۔ نادرہ! (توقف) ثریا تو نے مجھے یہ کیا بتایا۔ یا میں نے کیوں تجھ سے یہ پوچھ لیا۔

ثریا۔ وہ سنو۔ باہر پیڑ پر کیا بول رہا ہے؟

انارکلی۔ کاگ۔

ثریا۔ اب اس شگون پر تو خوش ہو جاؤ (باہیں پھیلا کر) میری اچھی آپا!

انارکلی۔ (ثریا کو گلے لگا کر) میری پیاری ثریا! (ثریا کا رخسار چومتے چومتے)

ثریا۔ (پیشانی چوم لیتی ہے، اور پھر یکلخت شرما کر سر جھکا لیتی ہے)

ثریا۔ (تاڑ چکی ہے) یہ پیشانی چوم کر تم شرما کیوں گئیں آپا۔ اس لئے کہ صاحب عالم نے بھی۔ "

انارکلی (شرما کر منہ موڑتے ہوئے) میں بھول گئی تھی۔

ثریا۔ (گدگدا کر) کتنے مزے کی بھول ہے۔

انارکلی۔ جدھر منہ موڑتی ہے ثریا مسکراتی ہوئی شوخی سے ادھر ہی جا کھڑی ہوتی ہے۔ آخر ہنستی ہوئی بہن سے لپٹ جاتی ہے۔ انارکلی اور شرما جاتی ہے اور اپنے آپ کو ثریا سے چھڑا کر بھاگ جاتی ہے۔ ثریا بھی قہقہہ لگاتے پیچھے بھاگتی ہے۔ " پردہ "

٭ ٭ ٭

منظر دوم

شہزادہ سلیم کے محل کا شمالی مغربی ایوان۔ محل قلعہ لاہور میں حرم سرا کی چار دیواری سے باہر لیکن اس سے بہت کم فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایوان جس کے آگے ایک جھروکے دار شمن برج ہے۔ بیرونی منظر کی سرسبز شادابی کے باعث ایسا دل کشا اور فرحت زا مقام بن گیا ہے کہ کوئی بھی مغل اپنے اوقاتِ فرصت گزارنے کے لئے تمام محل میں سے اس ایوان کے سوا۔ دوسرا مقام منتخب نہ کر سکتا۔

دور جہاں آفتاب نیلے آسمان میں ارغوانی رنگ آمیزی کر رہا ہے۔ گھنے پیڑوں کے طویل سلسلے ہیں سے کھجوروں کے سر بلند اور ساکت درخت کالے کالے نظر آ رہے ہیں۔ راوی اس دور کی رنگینیوں کو اپنے دامن میں قلعے کی دیوار تک لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ برج کے مغربی جھروکے میں ایک مسجد کے گنبد اور سرخ میناروں کا کچھ حصّہ نظر آتا ہے۔

اندر برج کے آگے ایک سنگِ مرمر کا چبوترہ ہے۔ جو تمام ایوان کے عرض میں پھیلا ہوا ہے۔ اس چبوترہ کے دونوں پہلوؤں پر مغل طرز کی محرابوں والے دروازے ہیں۔

ایوان میں بیش قیمت ایرانی قالین بچھے ہیں۔ ان پر زری کے تکیوں والی مسند حریر او تخت پر رکھی ہوئی بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ سامانِ آرائش کم مگر پُر تکلف ہے۔ اور اگرچہ ترتیب میں بے حد سادگی سے کام لیا گیا ہے۔ اور بحیثیت مجموعی ایوان کسی قدر خالی خالی معلوم ہوتا ہے مگر دیواروں کے نقش و نگار برج کے جھروکے پر جالیوں کی صنعت۔ دروازوں پر گراں قیمت بھاری اطلسی پردے اور مناسب مقامات پر طلائی چوکیاں ہشت پہلو مزین اور ان پر حریر کا دار پھول دیکھنے سے غلبہ تجمّل کا اثر دل پر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

سلیم برنج کے جھروکے میں بیٹھا راوی پر غروب آفتاب کو دیکھ رہا تھا۔
اندر زعفران اور ستارہ باجا بجا کر ناچ رہی ہیں۔ مگر ان کو علم نہیں ہے کہ سلیم متوجہ نہیں
کچھ دیر ناچنے کے بعد وہ ٹھہر جانے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتیں مگر گھڑی گھڑی اس خیال سے
پاؤں ہلاتی رہتی ہیں کہ سلیم پیچھے ناچ رہی ہیں۔ زعفران ستارہ کو اشارہ سے چلنے کیلئے
کہتی ہے۔ زعفران نفی میں سر ہلا دیتی ہے۔ آخر دونوں قریب آ کر سرگوشیوں میں گفتگو
شروع کر دیتی ہیں۔

ستارہ۔ پوچھ لے پہلے۔

زعفران۔ چل بھی دے چپکے سے انہیں دریا کی سیر سے فرصت کہاں۔

ستارہ۔ اور جو مہارانی پوچھ بیٹھیں۔ اتنی جلدی کیوں لوٹ آئیں۔

زعفران۔ کہہ دیں گے وہ تو دیکھ رہے تھے لہروں کا ناچ۔ ہم دیوار کے
آگے ناچتے گاتے۔

ستارہ:۔ ہا۔

زعفران:۔ اور۔

ستارہ۔ اس سے تم اجازت ہی جو لے لو۔ تم ہی تو بہت ہنس ہنس کر باتیں
کیا کرتی ہو۔ کیوں۔

زعفران (جیسے شرما گئی۔ ہلکا سا طمانچہ مارتی ہے) چل قطامہ!

ستارہ۔ اف فوہ شرما بھی گئیں۔

زعفران۔ میں کیوں شرماتی پوچھ لیتے ہیں ہم (زعفران اس انداز سے سلیم کی طرف جاتی
ہے گویا ایک اہم خدمت کیلئے منتخب کی گئی ہے۔ کہیں پاؤں ٹیڑھا پڑ جاتا ہے اور گر پڑتی ہے)
سلیم چونک کر زعفران کی طرف دیکھتا ہے اور برنج میں سے اٹھ کر اندر آتا ہے۔
تیکھے نقش کا ذرا شستہ مزاج طبیعت کا بندہ جو شباب کے اولین مراحل

میں ہے۔ ستارہ ہنسی روکتی ہے۔ زعفران نیچے پڑی پہلے سلیم کی طرف پھر ستارہ کی طرف دیکھتی ہے۔

سلیم۔ کیا ہوا زعفران؟

ستارہ۔ (ہنسی ضبط کرتے ہوئے) حضور سے رخصت کی اجازت لینے جا رہی تھی۔ نگوڑے چبوترے سے ٹھوکر کھا گئی (ہنس پڑتی ہے)

زعفران۔ نامراد ہنسے جا رہی ہے کھڑی کھڑی۔

سلیم۔ تم چاہتی ہو کوئی تمہیں آ کر اٹھائے۔ (سلیم زعفران کو اٹھانے کے لئے اس کی طرف بڑھتا ہے۔ زعفران خود اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ ستارہ شوخی سے اس کے کپڑے جھاڑنے لگتی ہے۔ زعفران اس کے ایک تھپڑ رسید کرتی ہے۔

سلیم۔ تم بہت شوخ ہو زعفران۔

زعفران۔ ہاں حضور جب بھی کہتے ہیں ہمیں کو شوخ کہتے ہیں (ناز کے مصنوعی کھسیانے پن) ایک تو میں لے کے گر پڑی (سلیم اور ستارہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑتے ہیں) حضور کو تو ہنسی سوجھ رہی ہے۔ جاتے ہیں ہم بھی چلی جائیں گی۔

سلیم۔ (مسکراتے ہوئے) کہاں چلیں؟ بات تو سنو۔

زعفران چلتے چلتے رک کر ستارہ کی طرف دیکھتی ہے۔ اس کے چہرے پر پھر ایک تبسم ہے۔ پھر اس کو بھیج دیجئے یہاں سے

سلیم۔ وہ تمہیں کیا کہہ رہی ہے۔

ستارہ۔ اب تو یہ نکلوائیں گی ہی ہمیں۔ ادھر انارکلی نے سر پر چڑھا رکھا ہے۔ ادھر آپ نے منہ لگا رکھا ہے۔ جو نہ کریں تھوڑا ہے۔

سلیم (انارکلی کا ذکر اور سلیم بالکل دلچسپی نہ لے) اف فوہ تو انارکلی بھی تم سے بے تکلف ہیں زعفران؟ ثریا تو کہتی تھی۔ وہ کسی سے بات ہی نہیں کرتی۔

زعفران - تو حضور آدمی دیکھ کر بات ہوتی ہے۔

ستارہ - ہاں ان میں تو بڑے چاند جڑے ہیں۔

زعفران - پھر کیا نہیں ؟

سلیم - (مسند پر بیٹھ کر) تو تم سے کیا باتیں کیا کرتی ہیں وہ ؟

زعفران - اب کوئی باتیں مقرر تو ہیں نہیں - سبھی طرح کی باتیں کیا کرتی ہیں وہ۔

سلیم - خوب خوب! کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کر کے اس تذکرہ کو جاری رکھے)

غرض کہ بہت محبت ہے تم کو انارکلی سے - ؟

زعفران - اے مجھی کو کیا - کونسا ہے بھلا آدمی محل سرا میں جو انہیں نہ چاہتا

ہو - (بڑی تمکنت سے ستارہ پر ایک نظر ڈالتی ہے -)

سلیم - تو ہم نہیں بھلے آدمی زعفران ؟ (گویا پوچھوں تو زعفران کیا کہتی ہے)

ستارہ - (زعفران کی پریشانی کو بھانپ کر) گھبرا کیوں گئیں ؟

زعفران - اب حضور کے، حضور کی تو میں نے محل سرا - توبہ توبہ اے

حضور - میں تو اس کلمو ہی کو جلانے کو کہہ رہی تھی -

ستارہ - (فاتحانہ انداز میں مسکرا کر) اب کیوں نہ کھوگی یوں ؟

سلیم - (لطف لیتے ہوئے) ہم یوں باتوں میں نہیں اڑنے کے اب تو زعفران

تمہیں ہم کو بھی بھلے آدمیوں میں شامل کرنا پڑے گا -

زعفران - اے بھول گئی - حضور بخش دیجئے -

ستارہ - بھول کیوں - اب لاؤ نہ جا کر اپنی انارکلی کو -

سلیم - ہاں ہاں ان کے گانے کی بھی تو بہت تعریف سنی ہے ہم نے -

زعفران - مجھ سے اچھا تھوڑا ہی گاتی ہے -

سلیم - لیکن زعفران ہم بھلے آدمی بھی تو بننا چاہتے ہیں - کیوں ستارہ ؟

ستارہ - اب جان بچانا چاہتی ہے یہ -

سلیم ۔ ناکام رہو گی زعفران ۔

زعفران ۔ میں جا کر پھر بلا لاؤں گی ۔

ستارہ ۔ جاؤ نہ پھر انتظار کا ہے کا ہے ۔

زعفران ۔ اچھی بات ہے ۔ (تاؤ میں آکر چل پڑتی ہے)

سلیم (متوقع ملاقات کے اندیشوں سے یک لخت سراسیمہ ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے) ٹھہرو ٹھہرو زعفران ۔

ستارہ ۔ جانے بھی دیجئے حضور جو اس کے کہے سے وہ بھی آ جائے ۔

زعفران ۔ اور اگر لے آئی تو؟

سلیم ۔ (گھبرا کر) نہیں زعفران نہیں ۔

ستارہ ۔ تو مضائقہ بھی کیا ہے حضور سبھی تو آتے جاتے ہیں یہاں ۔

سلیم ۔ تم کو نہیں معلوم اس میں بس نہیں تم جاؤ ۔ (ایسے انداز سے اور کھڑا ہو جاتا ہے جس کے صاف یہ معنی ہیں ۔ زعفران اور ستارہ رخصت ہو جائیں ۔ (دونوں حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں ۔ اور سرگوشیاں کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں ۔ سلیم تنہا رہ جاتا ہے ۔)

اللہ یا پھر یہ سہمی ہوئی محبت کب تک راز رہے گی مہجور دل یونہی چپ چاپ دیکھا کرے گا ۔ یا وہ فرخندہ ساعت بھی آئے گی جس کی اُمید میں زندگی قیامت ہے) (آہ پھر کیا کیسے آئے گی ۔ وہ کہاں مانیں گے ہائے وہ تو دیں گے وہ انارکلی ہے حرم سرا کی کنیز ۔ تو سلیم ہے ۔ مغلیہ ہند کا شہزادہ ۔ پھر اپنا سینہ ان کے سامنے کھول کر رکھ دوں گا ۔ میرے اللہ میں کیا کروں ۔ (بے چین ہو کر مسند پر گر پڑتا ہے ۔ اور تکیہ پر سر رکھ دیتا ہے) ذرا دیر خاموشی رہتی ہے ۔ پھر دور دریا کی طرف سے گانے کی ہلکی ہلکی آواز آتی ہے ۔ سلیم کچھ دیر اسی طرح پڑا سنتا رہتا ہے ۔ پھر اٹھتا ہے ۔

اور سست قدموں سے برج میں جاتا ہے۔ اور دریا کی طرف جھانکتا ہے آواز

مدھم ہوتی ہوئی غائب ہو جاتی ہے)

راوی کا دل شاد ملاح! مانو کیوں نہ گائے۔ لہریں نیند میں بہہ رہی ہوں کشتی

اپنے آپ چلی جا رہی ہو پھر بھی نہ گائے؟ تو کیا جائے جب وقت کی ندی بہتے

بہتے سست پڑ جاتی ہے۔ اور امید ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ تو کیا ہوتا ہے (آہ بھر کر)

جا شفق زار لہروں پر گاتا ہوا چلا جا اور خوش ہو تو شہزادہ نہیں۔ ورنہ سنگ مرمر کی

چھتوں کے نیچے اور بھاری بھاری پردوں کے اندر تیرے گیت بھی دبی ہوئی آہیں

ہوتے۔ (سر جھکا کر خاموش ہو جاتا ہے۔)

(سورج ڈوب چکا ہے۔ باہر شام کا دھندلکا ہے ایوان کے اندر

تاریکی دم بدم گہری ہوتی جا رہی ہے۔)

چبوترے کے دائیں دروازے سے دو خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں ایک

لے روشن شعلیں اور دوسرے نے ایک چوکی لے رکھی ہے۔ اندر آ کر وہ تعظیم

بجا لاتے ہیں۔ ایک فانوس کے نیچے چوکی رکھ دیتا ہے۔ دوسرا چڑھ کر مشعل فانوس

روشن کرتا ہے۔ چپ چاپ اگلے بائیں دروازے سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

(بختیار چبوترے کے بائیں دروازے سے داخل ہوتا ہے سلیم کے ساتھ کا

کھیلا ہوا اس قدر بے تکلف دوست ہے کہ اسے داخل ہونے کے لیے

اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ خوش طبع نوجوان ہے۔ جس کی آنکھوں

میں خلوص چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔)

بختیار۔ (سلیم کو برج میں متغرق دیکھ کر) پھر سوچ میں؟

سلیم۔ بختیار! آ گئے تم؟ (سیڑھیاں اتر کر ایوان میں آ جاتا ہے)

بختیار۔ آپ کس فکر میں غرق ہیں؟

سلیم۔ میں سوچ رہا ہوں۔ بختیار۔ مطمئن ملاّح ایک آرزومند شہزادے کی نسبت کس قدر خوش نصیب ہے۔

بختیار۔ میں ان ملاحوں کا ادھر سے آنا جانا ہی بند کرا دوں گا۔

سلیم۔ کیوں۔

بختیار۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

سلیم۔ احمق پھانس نکالنے کے بجائے انگلی کاٹنا چاہتا ہے؟

بختیار۔ پھانس نکالنا بس میں جو نہیں۔

سلیم (مسند پر بیٹھے ہوئے) جب ہی تو کہتا ہے۔ آرزوئیں پوری کرنے کی قدرت نہ ہو تو حکومت اور ناداری یکساں ہیں۔

بختیار۔ تو پھر سودا کر لیجئے۔ ولی عہد کا بوجھ میں اٹھائے لیتا ہوں۔

سلیم۔ اور اس کے بدلے مجھے کیا دو گے۔؟

بختیار۔ انارکلی۔

سلیم۔ وہ کیسے؟

بختیار۔ یہ رہی (جیب میں سے ایک رومال نکالتا ہے اور مسند پر رکھ کر بڑے اہتمام سے کھولتا ہے۔ رومال میں انار کے پھول اور کلیاں ہیں۔ ایک کلی، اٹھا کر بہت تکلف سے سلیم کو دیتا ہے۔)

سلیم۔ تم کتنے خوش فکر ہو بختیار۔

بختیار۔ ڈبیا میں بند کر کے رکھنے کے قایل ہوں۔

سلیم۔ (کلی کو دیکھتا رہتا ہے) کتنا حسن کتنی رعنائی ہے اس کلی میں رنگ، بو اور نزاکت ننھی سی نیند میں سو رہے ہیں۔ لیکن بختیار، انارکلی، اس سے ان کا کیا تعلق۔ وہ تو فردوس کا ایک خواب ہے شباب کی آنکھوں کی قوس و قزح اور سچ سچ بختیار کبھی کبھی تنہائی میں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔

وہ صرف میرا تصور ہے ۔ اسے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ۔ جیسے میں نے
ایک خیال کو اپنے دل کے سنگھاسن پر بٹھا لیا ہے ۔ اور اسے پوج رہا ہے۔
بختیار ۔ عرفی کی صحبت آپ کو شاعر بنا دے گی ۔
سلیم ۔ (کلی کو دیکھتا دیکھتا کسی خیال میں غرق ہو چکا ہے بختیار کی طرف
توجہ ہی نہیں رہی) کیا ؟
بختیار ۔ (سلیم کو بے توجہ دیکھ کر ذرا بلند آواز سے) مغلوں کو بادشاہوں
کی ضرورت ہے ۔ وہ شاعر بادشاہ نہیں چاہتے ۔
سلیم ۔ (اسی بے خبری کی کیفیت میں) درست ہے ۔
بختیار ۔ قابلِ عمل تو کیوں ہوگا ۔ ؟
سلیم یک لخت کھڑا ہو کر بختیار کو شانوں سے پکڑ لیتا ہے اور بختیار ۔
اگر میں اپنا تمام محل ان ہی انار کے پھولوں اور کلیوں سے سجالوں اور پھر کسی روز
انارکلی سے پہلے ظلِ الٰہی ادھر آجائیں پھر ؟
سلیم ۔ (سوچتے ہوئے) پھر کیا ہوا ؟
بختیار ۔ اکبر اعظم کی نگاہ اپنے فرزند کی ۔
علیم فہیم ہے وہ بہت جلد ہر بات کی تہہ تک پہنچ جاتی ہے ۔
سلیم ۔ (سوچ میں بیٹھ جاتا ہے) وہ اس سے کیا نتیجہ نکالیں ؟
بختیار ۔ جو نتیجہ آپ انہیں چاہتے کہ نکالیں (سلیم کے سامنے مسند پر بیٹھ
جاتا ہے ۔) انارکلی کا خطاب ابھی حرم سرا کی پرانی بات نہیں ۔ اور آپ کی یہ تنہا
پسندی اور افسردگی اور پھر ان پھولوں کی رنگ و بو سب سے بڑی جاسوس بن سکتی ہے ۔"
سلیم ۔ سوختہ اختری، نحس تھی ۔ وہ ساعت جب تیرہ بختی نے مجھے دیارِ
مغلیہ کا ولی عہد کر دیا ۔ اور اس سے زیادہ نحس تھا وہ لمحہ جب انارکلی

کی حیران نظروں نے اس دل کو ایک انگارہ بنا دیا۔ (بختیار سلیم کی طرف ہمدردی کی نظروں سے دیکھتا ہے۔)

دل آرام چبوترے کے دائیں دروازے سے داخل ہوتی ہے نہ بختیار نے اسے دیکھا ہے نہ سلیم نے جب وہ قریب پہنچ کر تعظیم بجالاتی ہے تو بختیار اسے دیکھ کر انار کے پھولوں کو فوراً مسند کے تکیے کے نیچے چھپا دیتا ہے۔

دلآرام۔ دیکھ لیتی ہے مگر تعظیم بجالا کر خاموش کھڑی ہو جاتی ہے۔

سلیم۔ کیا ہے دلآرام؟

دلآرام۔ ظلِ الٰہی حرم سے باہر تشریف لا رہے ہیں۔ انھوں نے اطلاع بھیجی ہے کہ وہ آپ کی طرف بھی آئیں گے۔

سلیم۔ ادھر آئیں گے؟ وہ خود۔؟

دلآرام۔ حضور۔

سلیم۔ (بختیار کی طرف متفکر نظروں سے دیکھ کر) کیوں؟ (دلآرام سے) تمہیں معلوم ہے کیوں۔؟

دلآرام۔ جی نہیں۔؟

سلیم۔ (کچھ تامل کے بعد) میں استقبال کو حاضر ہوتا ہوں۔ (سلیم سوچ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دلآرام چلنا ہی چاہتی ہے)

بختیار۔ (جو اب تک دلآرام کو دلچسپی کی میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتا رہا ہے۔) کیا نام تھا۔ تمہارا دل آرام نہ ہاں۔ (مسکرا کر) کچھ نہیں دلآرام! خوب نام ہے۔ تم جاؤ۔ (دلآرام گئی ہے کہ شاید پردوں میں سے دلآرام ایک مرتبہ ایوان میں جھانکے۔ یکلخت ایک بارعب انداز سے نوبت بلیٹی شہنائیاں بجنی شروع ہو جاتی ہیں۔)

سلیم۔ وہ حرم سے برآمد ہو گئے۔ تم ٹھہرو بختیار۔ میں استقبال کو جاتا ہوں۔

(سلیم جاتا ہے چھتیار مسند کے تکیئے درست کرتا ہے۔ ایک تکیئے کے نیچے سے انار کے دو پھول نکلتے ہیں۔ جو اس نے دلآرام کو دیکھ کر چھپا دیئے تھے۔ انھیں اٹھا لیتا ہے۔ اور ادھر ادھر دیکھتا ہے کہ کہاں رکھے۔ مگر قدموں کی آہٹ سن کر پھر تکیئے کے نیچے چھپا دیتا ہے۔)

سلیم۔ اکبر۔ حکیم۔ ہمام اور چند خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں۔ خواجہ سرا دروازے کے قریب رک جاتے ہیں۔ سلیم۔ اکبر اور حکیم ہمام کے آگے بڑھ آتے ہیں۔ چھتیار مجرا بجا لاتا ہے۔

(اکبر گٹھے ہوئے جسم کا خوش شکل اور میانہ قد شخص ہے۔ پیشانی اور رخساروں کی شکنیں دیکھنے والے کے دل میں خوش اخلاقی اور حلم کا اعتماد پیدا کرتی ہیں۔ لیکن غالباً دنیا کے خیال میں رہنے کے باعث خوابناک آنکھوں میں کچھ ایسی قوت ہے جو قطع نظر اس امر کے کہ وہ شہنشاہ ہند ہے۔ ہر شخص کو محتاط رہنے اور نظریں جھکا لینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ گردن کی باوقار حرکت سے ظاہر ہے کہ عالی ہمت شخص ہے۔ مضبوط دہانہ کہہ رہا ہے کہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹوں کو خاطر میں نہیں لا سکتا۔ حرکات میں متعدی ہے۔ رفتار میں ایک ایسا انداز گویا زمین کی تحقیر کر رہا ہے۔

اس وقت وہ سلیم سے ناخوش نظر آتا ہے۔ لیکن سلیم سے اس کی غیر معمولی الفت اس قدر مسلم ہے کہ محرمانِ حرم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ کبیدگی پدرانہ فہمائش کو مؤثر بنانے کے لئے سوچ سمجھ کر اختیار کی گئی ہے۔ اور اس غیظ و غضب سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں جو کبھی کبھار اکبر کو بے پناہ بنا دیا کرتا ہے۔

اکبر۔ حکیم صاحب کہتے ہیں۔ تم علیل ہو شیخو؟

سلیم۔ (گومگو کے عالم میں) نہیں، تو جہاں پناہ۔

اکبر۔ (حکیم صاحب پر نظر ڈال کر) کیوں حکیم صاحب؟

حکیم ۔ ظلِ الٰہی! غلام بارگاہ کوئی خاص مرض تو تشخیص نہیں کر سکا۔ البتہ سستی و کاہلی دیکھ کر......

اکبر۔ اسے یقین دلانا چاہتے ہیں کہ وہ بیمار ہے۔

حکیم ۔ ظلِ الٰہی! غلام کی ذمہ داری۔

اکبر ۔ تم علیل نہیں تو پھر کیا ہے شیخو۔ کہ ہر ایک تمہاری بے توجہی کا شاکی ہے۔ نہ تمہیں اپنی تعلیم کا خیال ہے۔ نہ ضروری مشاغل کا۔ سواری کو نہیں نکلتے۔ شکار کو تم نہیں جاتے تم دسترخوان پر نہیں آتے۔ آخر کیوں؟ تم اپنے باپ کے سامنے حاضر ہونے میں اپنی توہین سمجھتے ہو۔ یا یہ چاہتے ہو کہ اگر تم اس کے پاس نہ جاؤ تو وہ کب تک بے صبر نہیں ہوتا۔ تم نے دیکھ لیا تم خوش ہو اب؟

سلیم ۔ میں اب شرمندہ ہوں۔

اکبر ۔ نہیں شاید تم یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ ممتا کب تمہاری ماں کو حرم کی چار دیواری سے کھینچ کر باہر لاتی ہے۔ کیوں شیخو! ماں کے بلانے پر ہر مرتبہ عذر کر بھیجنا۔ پھر اور کیا معنی رکھتا ہے۔

سلیم ۔ میں ابھی ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

اکبر ۔ تم کو اگر ماں باپ کی پرواہ نہیں تو وہ بھی تم سے بے پرواہ ہو سکتے ہیں۔

سلیم ۔ میں معافی چاہتا ہوں۔

اکبر۔ میں جانتا ہوں ۔ یہ معافی اکبر بادشاہ سے ہے اکبر باپ سے نہیں
بادشاہ تمہیں معاف کرتا ہے باپ انتہائی افسوس سے کچھ نہ بول پاتا
ہے۔

(سلیم کے آنسو نکل آتے ہیں)

آنسو! بادشاہ بھی تمہیں معاف نہیں کر سکتا معاف نہیں کر سکتا۔

سلیم۔ وہ شاہزادوں کو سیاست کی الجھنوں میں الجھتے دیکھ سکتا ہے۔ وہ
انہیں ہوس ملک گیری میں گرفتار دیکھ سکتا ہے وہ جانتا ہے ان کے زخموں
سے کیا کرے، وہ جانتا ہے ان کی سر بریدہ لغزشوں کو کیا کرے مگر آنسو آنسو!
جا اپنی ماں کے پاس جا۔ ان آنسوؤں کو تو ان کے ہاتھ دیکھ سکتا ہے۔

جاؤ سلیم! (سلیم سر جھکائے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا حرم کی طرف جاتا
ہے اکبر کھڑا دیکھتا ہے)

بے وقوف لڑکا۔ چلئے حکیم صاحب (چلتے چلتے ٹھہر کر) تم بختیار تم شیخو کے
آنے تک یہیں ٹھہرو۔ تنہائی میں پھر وہ آنسو بہائے گا۔

احمق چلئے حکیم صاحب (چلتے چلتے پھر ٹھہر کر) یا تم بھی ہمارے ساتھ
آؤ بختیار ہم ایک اور طرح اس کی شکست شوئی کرنا چاہتے ہیں۔

(سب باہر دروازے سے بیرونی حصے کو چلے جاتے ہیں)

جب دیوان خالی ہو چکتا ہے تو حرم کے دروازے کے پردے ہلتے ہیں
انارکلی آرام سے سر نکال کر جھانکتی ہے جب اطمینان ہو جاتا ہے کہ کوئی موجود نہیں
تو دبے پاؤں ادھر ادھر دیکھتی ہوئی اندر آ جاتی ہے ہر طرف دیکھ کر اطمینان

کرتی ہے کہ کوئی واپس نہ آرہا ہو پھر مسند کے قریب بڑھتی ہے اور تکیہ اٹھا اٹھا کر دیکھتی ہے ایک تکیے کے نیچے سے انار کے پھولوں کا رومال مل جاتا ہے دلآرام ادھر اُدھر دیکھ کر رومال کھول دیتی ہے۔

دلآرام! پھر چھپٹ کے کیوں! انار کے پھول کیا تھا؟

(پھول ہاتھ میں لئے وہ سوچ میں پڑ جاتی ہے قدموں کی آہٹ سن کر یک لخت چونکی ہوکر بیرونی دروازے کی طرف دیکھتی ہے گھبرا کر واپس آتی ہے۔ اور پھول تکیے کے نیچے رکھ کر حرم کے دروازے کی طرف بھاگتی ہے ادھر سے بھی گھبرا کر واپس آتی ہے پریشانی کے عالم میں کھڑی ہو جاتی ہے اور چھپنے کی جگہ دیکھتی ہے۔ آخر دوڑ کر دائیں ہاتھ والے دروازہ کے پیچھے چھپ جاتی ہے۔

بختیار داخل ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں ایک جڑاؤ انگشتری ہے بختیار بادل گرج چکا ہے۔ تو میٹھا پانی برستا ہے کتنا بڑا ہیرا، کس قدر عمدہ تراش۔

(سلیم سوچ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا داخل ہوتا ہے)

بختیار۔ کیا سوچ رہے ہو تم؟ یقیناً ظل الٰہی کی فہمائش سے تم آزردہ نہیں ہوئے۔ آزردہ نہیں نا؟ وہ تمہارے باپ ہیں اور وہ باپ جو تمہارے لئے متحدہ ہندوستان کی سلطنت تیار کر رہے ہیں۔ اور اگر اس کے لئے وہ تمہیں بھی ایک خاص رنگ میں دیکھنے کی توقع رکھیں، تو قابل الزام نہیں۔ نہیں نہ سلیم! اور کیا قصور تمہارا نہ تھا؟ پھر بھی ان کی الفت دیکھو۔ انھوں نے تمہارے لئے یہ تحفہ بھیجا ہے دربار میں جو فرنگی جوہری آئے تھے انھوں نے اپنے ملک

کے ڈھنگ پر ایک انگشتری کا نگینہ تراش ہے۔ دیکھو کتنا بڑا اکس قدر خوبصورت لاؤ میں تمہیں پہنا دوں (ہاتھ پکڑ کر انگشتری پہنا دیتا ہے) تم تو ویسے ہی خاموش ہو۔

سلیم۔ میں اور کچھ سوچ رہا ہوں بختیار۔

بختیار۔ کیا؟

سلیم۔ میں واپس آرہا تھا۔ تو مجھے راستہ میں تیرا یا ملا۔

بختیار۔ پھر؟

سلیم۔ اس نے کہا۔ انارکلی آج کل چاندنی راتوں میں باغ میں جاتی ہے

بختیار۔ تو؟

سلیم۔ میں آج باغ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں (مسند پر جاتا ہے)

بختیار۔ محبت نے تم کو بالکل دیوانہ بنا دیا ہے سلیم! باپ کی اتنی خفگی اور اتنی خاصی دیر میں پھر اتنی بڑی جرأت۔

سلیم۔ ہاں! لیکن چاندنی راتیں پھر نہ رہیں گی۔

بختیار۔ (سلیم کے سامنے مسند پر بیٹھ کر) تم کیوں انارکلی سے ملنا چاہتے ہو سلیم؟ اگر تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ بھی تمہیں چاہتی ہے تو تمہارے اس وقت کا تنہا قیامت نہ ہو جائے گا؟

سلیم۔ اور اب یہ معلوم ہو کر کہ تنہائی میں اس سے مل لینے کا موقع بھی ہے میں اگر نہ ملا تو جینا عذاب ہو جائے گا؟ (دونوں کو غافل دیکھ کر دبے پاؤں باہر نکل جاتی ہے جب وہ گزر چکتی ہے تو)

بختیار (چونک کر) کون؟

سلیم - ادھر ادھر دیکھ کر کوئی نہیں -

بختیار (جس دروازے سے باہر نکلی ہے اس کی طرف اشارہ کرکے)

دیکھو پردہ ہل رہا ہے -

سلیم - ہوا ہے -

بختیار - نہیں کوئی باہر گیا ہے -

(دونوں بھاگ کر دروازے کی طرف جاتے ہیں اور دائیں دیکھتے ہیں

کوئی نظر نہیں آتا) "پردہ"

٭ ٭ ٭

منظر سوم

(حرم سرا میں ایک غلام گردش ہے جس کے ساتھ صحن کا کچھ حصہ نظر آ رہا ہے۔
نماز مغرب ادا ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہو چکا ہے۔ بیگمیں اور شہزادیاں
نشاط و ظرافت کی محفلوں میں شامل ہونے کے لئے سنگار کر کے اپنے اپنے حجروں سے
رخصت ہو چکیں۔ کنیزیں اور خواجہ سرا بعد کے مقررہ فرائض انجام دے کر ان کی خدمت میں
پہنچ چکے۔ اب نہ کوئی آواز ہے نہ حرکت۔ تھوڑی دیر پہلے بیگموں کی صداؤں اور کنیزوں
اور خواجہ سراؤں کے شور غل سے جو ہنگامہ برپا تھا۔ اس کا خیال آجانے سے یہ مقام اب
ویران اور اداس معلوم ہوتا ہے۔

چاند ابھی نہیں نکلا صحن اور غلام گردش میں تاریکی ہے بیگموں کے حجروں میں البتہ شمعیں
روشن ہیں۔ اور ان کی روشنی پردوں میں سے نکل کر صحن میں اور غلام گردش کے ستونوں
پر اجالے کے دھبے ڈال رہی ہے دور سے گانے بجانے کی ہلکی ہلکی آواز آ کر منظر کو افسردہ
بنا رہی ہے۔

دلآرام اکیلی ایک ستون کا سہارا لئے کسی گہری سوچ میں چپ چاپ کھڑی ہے۔
ایک مجروح کی چھت سے مدھم شمع چھن چھن کر پتلی پتلی اور بے شمار لکیروں میں اس پر پڑ رہی ہے
تھوڑی تھوڑی دیر بعد گہری آہ بھرتی ہے اور پھر خیال میں غرق ہو جاتی ہے۔

عنبر اور مروارید ایک طرف سے باتیں کرتی ہوئی داخل ہوتی ہیں۔)

مروارید۔ تجھے میری جان ہی کی قسم

عنبر۔ اب آنکھوں دیکھی تو کہہ نہیں رہی کانوں سنی کہہ رہی ہوں۔

مروارید۔ کہ صاحب عالم کھڑے ثریا سے باتیں کرتے رہے؟

عنبر۔ راحت کہتی ہے اللہ جانے سچ ہے یا جھوٹ۔

مرواریدہ۔ بڑی بہن انار کلی نہیں دیکھے چھوٹی کیا (دلآرام کو دیکھ کر رک جاتی ہے) یہ کون ہے۔

عنبر (غور سے دیکھ کر) دلآرام نہیں؟

مرواریدہ۔ وہی تو ہے: (قریب جاکر) چپ چپ کیسی کھڑی ہو دلآرام؟

دلآرام (چونک کر) ہاں تو عنبر چپ چاپ کیسے نہ ہوں چھوٹی بڑے ایک جگہ میں جا پڑیں یہ تھوڑی وجہ ہے

مرواریدہ۔ مگر اب کڑھنے سے کیا ہونا ہے جیسے وہ بات نہ رہی ویسے ہی اچھا ہے تو یہ بھی نہ رہے گی۔

عنبر۔ جس پر گزرے وہی جانتا ہے بہن۔

مرواریدہ (دلآرام کو اسی طرح فکرمند دیکھ کر) اے بہن میں کہتی ہوں چپ شاہ کا روزہ رکھا ہے کیا؟ خدا کے لئے بولو تو دلآرام؟

دلآرام (خیال سے چونک کر) مجھ سے کہا؟

مرواریدہ (عنبر سے) لے خبر بھی نہیں (دلآرام سے) یہ حالت کب ہے، اچھا خاصا سوگ منا بیٹھیں لو

عنبر۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ دی ہے۔

مرواریدہ۔ اور تم نے ثریا کا۔

دلآرام (یک لخت) میں کہتی ہوں عنبر۔

عنبر۔ کیا۔

دلآرام۔ کچھ نہیں۔

مرواریدہ۔ اے واہ کہتے کہتے ٹال گئیں۔

عنبر۔ نہیں ہماری قسم کیا کہنے لگی تھیں بہن؟

دلآرام (چلنے کو تیار ہوتے ہوئے) کچھ نہیں

عنبر :- لجاجت سے اچھی بتا دو؟

دلآرام۔ دیوانی ہوئی ہے۔

مروارید :- یہ چبا چبا کر باتیں کرنا ہمیں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ساتھ کی اٹھنے بیٹھنے والیوں سے کیسا پردہ!

دلآرام (کچھ تامل کے بعد پھر ستون کا سہارا لے لیتی ہے) میں پوچھتی تھی انارکلی خوبصورت ہے؟

عنبر۔ بدصورت تو نہیں پر خدا نہ کرے جو کہیں صبح کو صورت دکھائی دے کھانا تو نصیب ہو نہ دن بھر۔

مروارید :- سچ سچ عنبر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اب روئی کہ روئی۔

دلآرام :- (تامل سے) مجھ سے خوب صورت ہے؟

عنبر۔ کیوں پوچھتی ہو؟

دلآرام (کچھ توقف کے بعد) کیوں پوچھتی ہوں؟ کیا معلوم کیوں پوچھتی ہوں۔

مروارید۔ شکل و صورت میں تو تمہارے پاسنگ بھی نہیں۔ یہ اور بات ہے اس کی قسمت کا ستارہ خوب چمک رہا ہے۔

دلآرام (محویت میں کہیں دور دیکھنے لگتی ہے) قسمت کا ستارہ! یہ قسمت کے تارے ٹوٹا نہیں کرتے مروارید۔

مروارید۔ خوب ٹوٹتے ہیں لیکن جب ٹکر کھاتے ہیں۔

دلآرام (اسی محویت میں) تو مروارید آج رات دو تارے ٹکرائیں گے (توقف کے بعد) کیا خبر کونسا ٹوٹے؟

عنبر۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو تم کو آج کیا بات ہے؟

دلآرام (پر معنی تبسم سے) کیا بات؟ کہدوں تو یہ سارا محل قیامت کا نمونہ بن جائے۔

پر ابھی تو دیکھنا ہے کہ تارہ کونسا ٹوٹتا ہے۔

مروارید۔ گھبرا کر) ہائے اللہ کیا ہے مجھ کو تو پوچھے بغیر چین نہ پڑے گا۔

دلارام:۔ بہت بڑی بات ہے اتنی کہ میرے دل میں نہیں سما سکتی تم جاؤ مجھے ڈر ہے کہیں میں کہہ نہ بیٹھوں۔

عنبر:۔ اے ہے بہن کیسی پہیلیوں میں باتیں کر رہی ہو صاف صاف کہو نہ مجھے تو مارے ہول کے نیند نہ آئے گی۔ رات بھر۔

عنبر:۔ تمہارے دل مجھ سے بھی چھوٹے ہیں جو بات میرے دل کے لیئے بڑی ہے ان میں کیسے سما سکے گی (قدموں کی آہٹ سنکر دلارام کان لگا دیتی ہے اور پھر جلدی سے مڑ کر دیکھتی ہے کہ انار کلی آ رہی ہے۔)

ارے دیکھو۔ وہ انار کلی آ رہی ہے جلد چلی جاؤ پھر بتاؤں گی اس وقت کچھ نہیں۔

(عنبر اور مروارید گھبراتی ہوئی چلی جاتی ہیں دلارام ایک ستون کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہو جاتی ہے)

انار کلی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آتی ہے اور ایک ستون کے ساتھ گلا لگا دیتی ہے۔ اور ایک آہ بھرتی ہے۔

(ثریا داخل ہوتی ہے)

ثریا:۔ تم کہاں چپکے سے نکل آتی ہو آپا میں تو تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہار گئی۔

انار کلی:۔ کیوں ڈھونڈ رہی تھیں۔

ثریا:۔ ایسے ہی آپا مجھے بیٹھے بیٹھے خیال آتا ہے تم کہیں رہ نہ رہی ہو لیں میں گھبرا کر اٹھتی ہوں اور تمہیں ڈھونڈنے لگتی ہوں۔

انار کلی۔ (کچھ دیر ثریا کو تکتی رہتی ہے پھر محبت سے اس کا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیتی ہے) تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے ثریا؟

ثریا:۔ محبت۔ میری آپا میں تمہارے لئے مرجانا چاہتی ہوں۔
انارکلی (ثریا کو لپٹا کر) میری ننھی!
ثریا:۔ (لیٹے لیٹے سر پیچھے ڈال کر) تم سوچ کیا رہی تھیں آپا؟
انارکلی۔ کیا سوچ رہی تھی؟ (توقف کے بعد) میں سوچ رہی تھی میں نے لیلیٰ کے گھنگرو باندھ رکھے ہیں وہ جب باغ میں چلتی ہے تو باقی سب ہرنیاں چونک کر اسے تکنے لگتی ہیں لیلیٰ خوش ہوتی ہوگی۔
ثریا:۔ (دنگ ہو کر غور کرتے ہوئے) یہ کیا بات ہوئی؟
انارکلی:۔ گھنگروؤں کی آواز سے وہ خود ٹھٹک کر رہ جاتی ہے اس کی آنکھوں میں اب وہ بات نہیں رہی کہ لیٹی ہے اور دور کے چشمے اور کوہسار نظروں میں فدا ہی ہوا سہم گئی۔ میں نے سہانی یاد بھی اس سے چھین لی۔
ثریا:۔ (شبہ سے) تم لیلیٰ کے لئے اداس ہو رہی ہو۔
انارکلی:۔ یونہی بیٹھے بیٹھے خیال آگیا تھا۔
ثریا:۔ لیلیٰ کا خیال تو اس وقت آیا۔ اور باقی وقت کیا سوچتی رہیں۔ تم تو ہر وقت ہی گم سم رہتی ہو۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ آج کل؟
انارکلی:۔ سچ سچ ثریا مجھے کیا ہوگیا ہے! (تامل کے بعد) پہلے میں کتنی بشاش رہتی تھی۔ پھولوں میں سے آتی تھی اور میرے دائیں بائیں پھول ہی پھول تھے ناچتی گاتی اور ہنستی کھلکھلاتی چلی جا رہی تھی جس میں ہماری بے فکری اور گیت کی رونق تھی دنیا اپنی خوشیوں کا ایک ایک قطرہ میرے لئے نچوڑ دیتی تھی۔
ثریا:۔ پھر اب تمہیں کیا ہوگیا؟
انارکلی۔ نہ جانے کیا ہوگیا (کچھ دیر بعد) میں چاہتی ہوں الگ تھلگ اور چپ چاپ بیٹھی رہوں لیکن ثریا جب میں یوں بیٹھی ہوں تو سوچنے لگتی ہوں چاہتی ہوں کچھ

نہ سوچیں آنکھیں میچتی ہوں دانت بھینچتی ہوں مٹھیاں بند کر لیتی ہوں پھر بھی سوچ میرا پیچھا نہیں چھوڑتی آگ کی طرح دل سے اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔

ثریا:۔ کیسی سوچ؟

انارکلی: (غور کر کے) میں اس کا کوئی نام نہیں رکھ سکتی، وہ ٹکڑے ہیں جو چاہتے ہیں جڑ کر ایک بن جائیں میں انہیں نہیں جڑنے دیتی بکھیر بکھیر دیتی ہوں لیکن ... میرے اندر سے بہت زیادہ طاقت ہے۔ وہ بار بار حملہ کر کے آتے ہیں اور آخر مجھے مغلوب کر لیتے ہیں نہیں نہیں کہتی ہوئی بے ہوش ہو جاتی ہوں اس وقت مجھے اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے اور میرے جسم سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔

ثریا:۔ میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ جیسے تم اپنے آپ کو بھولی ہوئی بیٹھی ہو۔

انارکلی:۔ اور پھر جب کوئی مجھے بلاتا ہے۔ تو میں چونک کر کانپ اٹھتی ہوں کہ میری بے خبری میں اس نے میری سوچ کو میرے چہرے کو برہنہ نہ دیکھ لیا ہو۔

ثریا:۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔

انارکلی:۔ عجیب باتیں ہیں نہ ثریا اسی لئے تو کسی سے بات نہیں کرتی چور چور جسم اور زخمی دماغ لئے۔ اپنی سوچ سے آپ ہی بچتی پھرتی ہوں۔

ثریا:۔ میری آپا

انارکلی:۔ میں کیا چاہتی ہوں (سوچ اور بحث کے عالم میں) اس خیال میں گم ہوتی جا رہی ہوں۔

ثریا! کاش میں آزاد ہوتی۔ ایک کشتی میں بیٹھ کر اسے دادی کے چپ چاپ نہروں پر چھوڑ دیتی اور چاندنی رات میں خوشبوؤں اور بانسری کی آوازوں کے درمیان میری کشتی چلی جاتی اور افق سے جا ٹکراتی۔

ثریا! حیرانی سے انارکلی کو تکتے ہوئے رہتی ہے۔

انارکلی! (حیرانی سے ثریا کو تکتے ہوئے) کہہ رہی ہے
شعلوں کی زبان کی طرح بے تاب اسے کھینچ رہے ہوتے ہوں! جیسے میں ہوا پر
بجلی کی طرح جا رہی ہوں اور دو مضبوط بازوؤں نے مجھے جکڑ رکھا ہوتا۔
ثریا! جیسے اسی قسم کے کسی اشارے کی منتظر تھی کسی کے بازو اجی کس کے بازو؟
انارکلی! ایک لخت کسی قدر گھبرا کر چپ ہو جاؤ ثریا میں نہ بولوں گی۔ اب۔
ثریا! (شوخی سے) میں سمجھ گئی آپا۔ اتنی ننھی تو نہیں
انارکلی! (تنک کر) میں کیا جانوں۔
(یک لخت رخصت ہو جاتی ہے)
ثریا! کیا باغ میں جا رہی ہو آپا؟ جاؤ میں جانتی ہوں کس کے بازو میں خوب جانتی ہوں
وہی بازو تو وہاں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔
ہنسی جاتی ہے دلآرام ستون کے پیچھے سے نکلتی ہے۔
دلآرام! وہی بازو انتظار کر رہے ہیں اور کیا بجلیاں بیتاب نہیں ہو رہی ہیں؟ انارکلی
تو میری رقیب نہیں میں تیری حریف نہیں یہ تو ستاروں کے کھیل ہیں۔ کون ان
کی پراسرار چال کو سمجھ سکتا ہے اور کون جانے جب وہ ٹکرائیں گے۔ تو پھر کیا ہوگا
(انارکلی کے پیچھے پیچھے جاتی ہے)
"پردہ"

منظر چہارم

(حرم سرا کے پائیں باغ کا الگ تھلگ حصہ)

رات کچھ زیادہ نہیں گذری، دس بارہ دن کا چاند باغ کی رعنائیوں میں کیف و مستی کی دل آویزیاں کر رہا ہے۔

باغ کے اس حصے میں سنگ مرمر کا ایک نسبتاً چھوٹا سا اور دو تین سیڑھی اونچا حوض ہے، جس کے ننھے ننھے فواروں کی آب افشانی حوض میں چاند کو گدگدا کر بیقرار کر رہی ہے حوض کے چاروں کناروں سے چار منقش روشیں جن کے دونوں طرف پھلدار جھاڑیاں ہیں باغ کی چہار دیواری تک چار چھوٹی چھوٹی سبک سہ دریوں کو جاتی ہیں یوں باغ کا یہ حصہ چار سرسبز قطعوں میں تقسیم ہو گیا ہے جو میں خوش قطع کیاریاں اور پھولوں کے گھنے درخت ہیں پھیکے آسمان کے مقابل یہ گھنے درخت سیاہی کے بڑے بڑے بے وضع مگر دلکش دھبے معلوم ہوتے ہیں سامنے سہ دری اور اس کے آس پاس کے لمبے لمبے اور پتلے سرو فاصلے پر ایک سیاہ تصویر نظر آ رہے ہیں باغ کے سکوت میں جھینگروں کی آواز کے سوا اور کچھ مخل نہیں۔

انار کلی! (حوض کے کنارے اکیلی گھٹنوں پر سر رکھے ہچکی سسکیاں بھر رہی ہے اس کا ستار اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر سیڑھی پر گر پڑا ہے

تھوڑی دیر بعد سر اٹھاتی ہے اور رخسار گھٹنوں پر رکھ لیتی ہے)، سلیم تمہیں کیا مل گیا! میری نیندوں کو لوٹ کر، میری راحت کو غارت کر کے، تمہیں کیا ملا سلیم پھر تم نے کیوں محبت کے پیغام بھیجے۔ کیوں سلگتی ہوئی چنگاری کو دھکا دیا! یہ ہستی تھی! یہ سب ہنستی تھی۔ مگر عالی مرتبت شہزادے کمزور بے جا کنیز سے ہنستی اس قیامت کی ہنستی! اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔

(پھر گھٹنوں پر سر رکھ کر سسکیاں بھرنے لگتی ہے)

سلیم جھاڑیوں کے اوپر سے جھانکتا ہے اور پھر پچھلی روش پر آجاتا ہے کچھ دیر پیچھے ہی کھڑا رہتا ہے گویا متامل ہے کہ آگے آئے یا نہ آئے آخر آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے آتا ہے اور حوض کے کونے کے قریب خاموش کھڑا ہو جاتا ہے۔

سلیم :۔ (کچھ دیر بعد آہستہ سے) انارکلی

انارکلی :۔ (چونک کر سہم جاتی ہے)

سلیم :۔ (سامنے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے)

(انارکلی سلیم کو دیکھ کر خوف اور پریشانی کے عالم میں کھڑی ہو جاتی ہے اس کی کیفیت ہے گویا اسے سکتہ ہو گیا ہے)

سلیم :۔ (قریب آکر) تم کھڑی ہو گئیں انارکلی! یہاں بھی شہنشاہ کا آہنی قانون ہم تو تاروں بھرے آسمان کے نیچے کھڑے ہیں۔ یہاں کا قانون دوسرا ہے بہت مختلف! آؤ میں تم کو سکھاؤں۔

(انارکلی کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا دیتا ہے انارکلی یوں بیٹھ جاتی ہے جیسے کل کی گڑیا ہے کہ پیچ دبا دینے سے بیٹھنے کے سوا چارہ نہیں سلیم خود کھڑا رہتا ہے، کاش شہنشاہ کا بھی یہی قانون ہوتا۔

انارکلی اس طرح بیٹھتی ہے گویا اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے اور اس کے پاس کون ہے سلیم منتظر ہے کہ شاید وہ کچھ بولے آخر خود گفتگو شروع کرنے کی کوشش کرتا ہے)

ابھی ابھی تم کچھ بول رہی تھیں۔ پھر اب تم چپ کیوں ہو انارکلی؟

(انارکلی کے چہرے پر یا آنکھوں میں ایسی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی جس سے ظاہر ہو کہ اس نے کچھ سنا یا سمجھا ہو سلیم نہیں جانتا کہ کیا کہے) میرا آنا تمہیں ناگوار ہوا؟

(انارکلی اب بھی کھوئی بیٹھی ہے اور جیسے اپنی نظروں سے سامنے کہیں دور تک رہی ہے۔ ہاں میں مخل ہوا۔ میں تمہاری تنہا خوشیوں میں مخل ہوا۔ مگر پھر میں کیا کرتا انار کلی ؟ (توقف کے بعد)

کاش تمہیں معلوم ہوتا۔ پوری طرح معلوم ہوتا۔

انارکلی پر وہی نیم بے ہوشی کی سی کیفیت رہتی ہے سلیم کی کچھ جھجک دور ہوتی جا رہی ہے۔

تم نہیں جانتیں تم نے کیا کر دیا۔ میں خود بھی نہیں جانتا۔ سب نہیں جانتے انارکلی (تامل کے بعد) میری تمام آسائشوں تمام راحتوں کو اپنی ہنسی میں سمیٹ لیا۔ تم نے میری تمام کائنات کا رس چوس لیا۔ اے نازنین! تم ایک معجزے کی طرح میرے سامنے آئیں اور میری آرزوں کی نیند لوٹ گئی۔ تم نے اپنی حیران نظروں سے مجھ کو دیکھا اور میری روح میں لامتناہی محبت کے شعلے بھڑک اٹھے تم چلی گئیں اور میری تمام دنیا تمہاری آرزو میں دھڑکتی رہ گئی۔

(سلیم جوش محبت میں انارکلی کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے انارکلی چونک پڑی سر جھکا لیتی ہے اور خاموش رہتی ہے)

تم چپ ہو انارکلی (آہ بھرتا ہے) میں جانتا ہوں مجھ کو نہ آنا چاہیے تھا بے بس پروانہ کا کیا قصور۔ اور یہ کتنی بڑی ترغیب تھی پھر ایک بار گمشدہ۔ فردوس کی جھلک اور میں انسان ہوں کمزور میں دنیا سے تھک گیا تھا۔ میں اپنے آپ سے تھک گیا تھا۔ میں اپنے آپ سے تھک گیا تھا۔

(انارکلی کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ سن رہی ہے۔ اس سے اسے تکلیف پہنچ رہی ہے لیکن اس کی زبان اب بھی بند ہے۔ سلیم مایوس ہو کر اس ہاتھ چھوڑ دیتا ہے)

تم اب بھی چپ ہو پھر میں جانتا ہوں تم نے ایک جان بانکے بیٹے کو اس کی زندگی

کی قیمت بتادی انارکلی ایک جان باز کھے بیٹے کو، میں جانتا ہوں (سلیم سر جھکائے

مایوسی کی تصویر بنا۔ رخصت ہونے کے لئے مڑتا ہے۔ انارکلی سر اٹھا کر ایک محویت

کے عالم میں اسے دیکھتی رہتی ہے۔

(ذرا دیر بعد الفاظ خود بخود اس کی زبان پر آجاتے ہیں)

انارکلی :۔ شہزادے! کنیز مذاق کا کیا جواب دے سکتی ہے اس کا کام تو برداشت کرنا

ہے خواہ مذاق اس کے دل کے ٹکڑے کر ڈالے۔

سلیم :۔ (پلٹ کر اس کے قریب آجاتا ہے) مذاق! خدایا آہیں اتنی بے اثر! آنسو اتنے

بے ثمر! انارکلی یوں بھی سمجھا جاسکتا تھا۔ تم نے یوں کیوں سمجھا؟

انارکلی۔ (سسکی سے گوشۂ چشم کا آنسو پونچھتی ہے) پھر میں کیا سمجھتی ہندوستان کا نیا

چاند ایک چکور کو چاہتا ہے کیسی ہنسی کی بات! آہ تم شہزادے ہو بڑے بہت بڑے

میں ایک کنیز ہوں ناچیز بے حد ناچیز۔ شہزادے کنیز کو چاہے گا، کیسی ہنسی کی بات

ہے!

سلیم :۔ (ایک لمحہ متامل رہ کر) اب بھی تیرے دل میں شبہ موجود ہے، تو اے انارکلی

اے دل کی ملکہ۔ لے ہندوستان کو اپنے قدموں کے نیچے دیکھ!

سلیم گھٹنوں کے بل ہو کر انارکلی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے

اور فرط محبت سے اسے چوم لیتا ہے)

انارکلی : اہ! آہ! (بے تاب ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے)

سلیم :۔ (اٹھتے ہوئے) انارکلی! میری اپنی انارکلی! تو میری ہے، صرف میری (بڑھ کر ہاتھ

پکڑ کر اسے سیڑھی سے اتارتا ہے اور آغوش میں لے لیتا ہے۔)

انارکلی۔ صاحب عالم! صاحب عالم (جذبات کی شدت سے ہانپ رہی ہے

اپنے آپ کو سلیم کی آغوش میں چھوڑ دیتی ہے سلیم اسے چوم لیتا ہے انارکلی یک لخت آغوش سے علیحدہ ہو کر دور ہٹ جاتی ہے)، یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ ہو بھی گیا، تو زمین اپنا منہ پھاڑ دے گی۔ آسمان اپنے چنگل بڑھا دے گا۔ یہ خوشی دنیا کی برداشت سے باہر ہے اس کا انجام تباہی ہے۔ شہزادے جاؤ، بھول جاؤ۔

سلیم:۔ اس کے قریب جا کر محبت سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالدیتا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے سینے سے چمٹے ہوئے ہوں تو پھر کوئی خوف نہیں آسمان ہمیں کھینچ لے۔ اور نئی روشنیوں میں اٹھے چلے جائیں۔ زمین ہمارے پیروں کے نیچے سے سرک جائے اور ہم نا معلوم اندھیرے میں گرتے چلے جائیں۔ تمہارے بازو ڈھیلے نہ پڑیں۔ تو یہ سب شیریں ہوگا۔ انارکلی بے انتہا شیریں۔

(سلیم کی آغوش تنگ ہوتی چلی جا رہی ہے)

انارکلی (تقریباً کبھی سانس میں)، اللہ یہ ممکن ہے! پھر اس کا انجام کیا ہوگا؟ اللہ اس کا انجام کیا ہوگا؟

سلیم:۔ انجام! مجھ سے پوچھو! انارکلی!

انارکلی (یک لخت تڑپ کر الگ ہو جاتی ہے)، آہ ٹھہرو۔ سنو! آواز پر کان لگا دیتی ہے آخر بے تابی سے)، کوئی ہے شہزادے کوئی ہے جاؤ تم چلے جاؤ۔

سلیم:۔ (آہٹ لینے کے لئے کان لگاتا ہے۔ پھر بے فکری سے کوئی نہیں

انارکلی:۔ (سراسیمگی کے عالم میں سر ہلا رہی ہے)، از راہ نہیں۔ قدموں کی آواز تھی یک لخت کانپ کر آہستہ سے) وہ دیکھو کسی کا سایہ۔ بھاگ جاؤ شہزادے بھاگ جاؤ۔

سلیم:۔ (رخصت ہوتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر) تم پھر مجھ سے ملو گی؟

انارکلی:۔ (ہاتھ چھڑا کر) ہاں مگر میری خاطر سے)

(سلیم لپک کر حوض کے دوسری طرف جاتا ہے اور روش سے اتر کر کنارے کی جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو جاتا ہے۔ انارکلی سہمی ہوئی دونوں ہاتھوں سے سینہ تھامے کھڑی ہے۔

اللہ! میرے اللہ!

(دلآرام بڑے اطمینان سے داخل ہوتی ہے)

دلآرام (طنز کے تبسم سے) تم یہاں ہو انارکلی؟

(انارکلی کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلتا۔ پھٹی پھٹی نظروں سے دلآرام کو تکتی

رہتی)

اور تم تنہا ہو؟

انارکلی (اس کا سانس گھٹتا ہے) ہاں!

دلآرام (جھاڑیوں کی طرف دیکھتے ہوئے) ابھی یہاں کون باتیں کر رہا تھا؟

انارکلی (اضطرار جھاڑیوں پر دزدیدہ نظر ڈالتے ہوئے) کوئی نہیں۔

دلآرام۔ باتوں ہی کی آواز سن کر آئی تھی۔

انارکلی (سراسیمگی سے) میں، میں اپنے ہی سے باتیں کر رہی تھی۔

دلآرام۔ (مسکرا کر) تم اتنی سہمی ہوئی کیوں ہو؟

انارکلی۔ (سراسیمہ ہو کر) نہیں تو۔

دلآرام۔ میں جانتی ہوں انارکلی!

انارکلی (جیسے بجلی گر پڑی) کیا؟

دلآرام۔ یہاں کون موجود تھا؟

انارکلی (سہم کر) کون تھا؟

دلآرام۔ اوہ تم مت ڈرو، میں اس قدر بے وقوف نہیں کہ اس کا نام لے دوں۔ ابھی اس کا وقت نہیں لیکن یاد رکھو۔ انارکلی میں جانتی ہوں۔ اس راز کی قیمت بھی جانتی

ہوں وہ بازار بھی جانتی ہوں جہاں یہ فروخت ہو سکتا ہے ہاں میں اس کی قیمت بھی مقرر کر چکی ہوں۔ پر میں تم کو کیوں بتاؤں۔ میں جاتی ہوں۔ انارکلی بیگم تم پھر اپنے سے باتیں کرو۔

(مذاق سے جھک کر تعظیم بجالاتی ہے اور رخصت ہوتی ہے۔)

انارکلی (مبہوت ہو کر اسے تکتی رہ جاتی ہے پھر سمٹ کر ہر طرف اس طرح پریشان نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ گویا خطروں میں گھری ہوئی ہے) میرے اللہ! میرے اللہ! کیا ہو گیا! یہ سب خواب تھا۔ یہ رات۔ سلیم۔ دلآرام۔ کتنی جلدی! کیا کچھ! کیا ہو گا۔ ہائے اب کیا ہو گا! (کھڑی کھڑی لڑکھڑا سی جاتی ہے۔ حوض کے کنارے کا سہارا لیتی ہے اور سیڑھی پر جیسے گر پڑتی ہے ہاتھ پیشانی پر یوں رکھ لیتی ہے۔ گویا دماغ میں خیالات کا طوفان برپا ہے۔ اسے روک کر کچھ سمجھنا چاہتی ہے۔ ثریا داخل ہوتی ہے۔ انارکلی اس کے قدموں کی آہٹ سن کر چونک پڑتی ہے۔ اور اسے تکتی ہے۔)

ثریا۔ (ہنس پڑتی ہے) وہ آئے؟

انارکلی۔ کون؟

ثریا۔ صاحب عالم

انارکلی۔ (حیرت کے عالم اسے دیکھتے ہوئے) یہ تو نے کیا تھا ثریا؟

ثریا۔ کیا؟

انارکلی۔ میری رسوائی کا سامان۔

ثریا۔ (قریب آکر محبت اور تعلق خاطر سے انارکلی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتی ہے۔) کیا ہوا آپا۔ انھوں نے کیا کہا۔

انارکلی۔ وہی جو تو کہا کرتی تھی۔

ثریا۔ پھر؟

انار کلی۔ وہی ہوا۔ جو میں کہا کرتی تھی۔

ثریا۔ کیا؟

انار کلی (منہ موڑ کر) میری تیرہ بختی۔

ثریا۔ (انار کلی کے سامنے ہو کر) کیوں؟

انار کلی۔ دلآرام نے ہمیں دیکھ لیا۔

ثریا۔ ہائے دیکھ لیا۔

انار کلی ہاں اسے سب کچھ معلوم ہو گیا اور کچھ دیر بعد تمام دنیا کو معلوم ہو جائیگا۔

(انار کلی سر جھکائے آنکھیں بند کئے فکر اور اندیشے کی تصویر نظر آ رہی ہے)

ثریا کھوئی ہوئی نچلی سیڑھی پر بیٹھ جاتی ہے کچھ دیر خاموشی سے اور گھبرا کر)

آپا پھر اب کیا ہوگا (انار کلی آنکھیں کھول دیتی ہے اور چپ رہتی ہے۔ خاموشی خوفناک ہے۔ ثریا یہ معلوم کرنے کو بے قرار ہے کہ انار کلی کیا سوچ رہی ہے۔ آپا اب کیا کریں۔

(انار کلی اسی طرح گم سم بیٹھی رہتی ہے)

ثریا سے نہیں رہا جاتا (جھنجوڑ کر) آپا!

انار کلی۔ (ثریا ہاتھ پکڑ کر وحشت ناک نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی ہے) ننھی تم جا کر سو رہو۔

ثریا۔ (پریشانی کے عالم میں بہن کا منہ تکنے لگتی ہے، اور تم؟

انار کلی (گھبرائی ہوئی آواز میں) میں جاتی ہوں۔

ثریا۔ کہاں؟

انار کلی۔ جہاں رسوائیوں کا خوف نہیں۔

ثریا۔ (بے قرار ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے) آپا!؟
انارکلی۔ (توقف کے بعد) مجھے مر جانا چاہیئے۔ ثریا۔
ثریا۔ (جھٹ کر) کیا کہہ رہی ہو!
انارکلی۔ (کچھ دیر چپ رہ کر) لوگ کیا سمجھیں گے۔ سوچ تو کن نظروں سے مجھ کو دیکھیں گے۔ اس ایک ایک نظر کو برداشت کرنا ایک ایک موت کے برابر ہے۔ (ذرا دیر سوچ کر) اور ثریا پھر بیگموں کا غضب ظل الٰہی کا عذاب اور آخر میں ذلت کی موت (ذرا دیر تامل میں رہ کر یکلخت کھڑی ہو جاتی ہے) بس ابھی مر جاؤں گی۔ چپ چاپ میں یہ ملول روح اس دنیا سے اکیلی رخصت ہو جائے۔ (آبدیدہ ہو جاتی ہے) میری موت دلآرام کی زبان بند کر دے گی۔ اس جیسے میں اطمینان ہے۔ ثریا کو اشکبار دیکھ کر تو رو رہی ہے۔ ثریا؟ نہ رو ننھی نہ رو اور دیکھ ماں کو ابھی کچھ نہ بتائیں۔
ثریا۔ (انارکلی سے لپٹ کر روتے ہوئے)
انارکلی۔ (اسے الگ کرنے کی کوشش کرتی ہے) دیوانی ہوئی ہے ثریا مجھے چھوڑ دے۔ وقت گزر رہا ہے چاند ڈوب جائے گا۔ اندھیرے میں مجھ کو راوی کی لہروں سے ڈر معلوم ہو گا۔ مجھے جانے دے۔
ثریا۔ آپا میری آپا! (سسکیاں بھرتی ہوئی بازو کھول دیتی ہے)
انارکلی۔ (ذرا دیر آنکھیں بند کئے خاموش کھڑی رہتی ہے۔ چہرے پر کرب کے آثار ہیں) میری ثریا! میری ننھی ثریا (بڑے جوش سے ثریا کو سینے سے چمٹا لیتی ہے) اب رخصت!
ثریا۔ آہ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ مروں گی۔ میں تمہارے ساتھ مر سکتی ہوں۔ میں تمہارے بغیر جی نہیں سکتی۔

انارکلی۔ (ثریا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) نہیں ننھی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تم جاؤ۔

جیئو۔ اور صاحب عالم سے کہہ دینا۔"

(سلیم یکلخت جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل کر روش پر آجاتا ہے)

سلیم۔ سلیم خود سننے کو موجود ہے۔

ثریا۔ (انارکلی کو چھوڑ دیتی ہے اور بھاگ کر سلیم کا دامن پکڑ لیتی ہے) آہ بچائیے! بچائیے! میری آپا کو بچائیے۔ دلآرام نے دیکھ لیا آپ کو اور ان کو دیکھ لیا وہ کہہ دے گی۔ سب سے کہہ دے گی۔ ہائے پھر کیا ہوگا۔ مرنے کو۔ ہائے ہائے شہزادے! شہزادے!!

سلیم۔ (سامنے آتے ہوئے) یہی خدشہ مجھے راستہ سے واپس کھینچ لایا ہے۔

انارکلی (سر جھکا کر) وہ جانتی ہے سب کچھ جانتی ہے اس کی گفتگو میں کینہ تھا ایک پہیلی تھی۔

ثریا۔ ہاں وہ کہہ دے گی۔ میں اسے جانتی ہوں وہ ضرور سب سے کہہ دے گی۔

سلیم۔ وہ جرأت نہیں کر سکتی۔ اس نے دیکھا نہیں۔ وہ کسی کو دکھا نہیں سکتی ہے۔"

انارکلی۔ آہ تم نہیں جانتے تم نہیں جان سکتے۔ تم شہزادے ہو۔ تم تک شہنشاہ کی نظریں بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ انارکلی کنیز ہے صرف وہم اس کو مروا ڈالنے کو کافی ہے۔

باب دوم

منظر اوّل

سلیم کا شمن برج نما ایوان!

جھروکے ہیں سے موسمِ بہار کی صبح کا آسمان شگفتگی اور تازگی کا نور برساتا نظر آ رہا ہے۔ ایوان میں سلیم ہے اور بختیار۔ سلیم کے بال پریشان ہیں، خط نہیں بنا معلوم ہوتا ہے کہ منہ تک نہیں دھویا۔ چہرے سے بے خوابی اور فکر کے آثار نمایاں ہیں۔ ایک کشمیری فرغل پہنے ہوئے تکیئے کے سہارے مسند پر نیم دراز رات کا واقعہ بختیار کو سنا رہا ہے۔ بختیار کے لباس میں گزشتہ شام کی سج دھج نظر نہیں آتی۔ صاف معلوم ہوتا ہے۔ خلافِ معمول صبح صبح طلب کئے جانے پر اتنی مہلت نہیں ملی کہ لباس کی تزئین و آرائش کی طرف مناسب توجہ کر سکتا، مسند سلیم کے سامنے ہمہ تن گوش بیٹھا اندیشہ ناک نظروں سے اس کا چہرہ تک رہا ہے۔

سلیم۔ میں ابھی پورے طور پر سمجھنے بھی نہ پایا کہ کیا ہوا جو دلآرام وہاں سے جا چکی تھی۔

بختیار (سلیم کے چہرے پر سے نظر ہٹائے بغیر) اور انارکلی؟

سلیم۔ جب وہ ہوش میں آئی۔ اس کا چہرہ نعش کی طرح پیلا تھا، کانپ رہی تھی۔ اور اپنی ساکت نظروں سے میری طرف تک رہی تھی اور کچھ نہ بول سکتی تھی۔

بختیار۔ خدایا کس قیامت کی گھڑیاں تھیں (واقعہ کی تفصیل یاد آنے سے کھویا سا نظر آتا ہے)

بختیار۔ (کچھ دیر منتظر رہ کر) اور پھر؟

سلیم۔ (جوش میں آ کر) نہیں۔ انارکلی سلیم کے پہلو سے نوچی نہیں جا سکتی ناممکن ہے ناممکن۔ انارکلی نے کہا، یوں نہ کہو، زندگی کی اکیلی خوشی اتنی ناچیز نہیں تم نہیں جانتیں۔ تم میری

کیا ہو سلیم تمہارے بغیر جی نہیں سکتا۔ انارکلی، اگر تم پر آنچ آئی تو اس پر قیامت
آئے گی نہ رہیں۔ وہ نہ رہے گا، میں چھوڑ سکتا ہوں ان محلوں کو اس سلطنت کو
سب کو تیرے ساتھ۔ میں دنیا کے تنگ ترین گوشے پر قانع ہو سکتا ہوں، غربت
میں، مصیبت میں، ہر طرح، اگر سلیم مغلیہ ہند کا! بادشاہ بنا تو تو اس کی ملکہ ہو گی، اگر
تو نہیں تو وہ بھی نہیں میری انارکلی میری اپنی انارکلی (انارکلی کو آغوش میں لے لیتا ہے)
انارکلی۔ آہ! آہ! (ایک بے بس چیز کی طرح اپنے آپ کو سلیم کی آغوش میں
چھوڑ دیتی ہے)
ثریا۔ (مخلصی کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتی ہے)
(دلآرام بغیر معلوم ہوئے حوض کے کنارے تک آپہنچی ہے)
دلآرام۔ ہندوستان کے آئندہ بادشاہ کو اپنی ملکہ مبارک ہو۔
انارکلی چونک کر دلآرام کو دیکھتی ہے اور بے ہوش ہو کر سلیم کے بازوؤں میں
گر پڑتی ہے ثریا سہم کر سلیم کا دامن پکڑ لیتی ہے، سلیم پریشانی کے عالم میں دلآرام کو
دیکھتا ہے۔ دلآرام کے چہرے پر طنز کا خفیف سا تبسم ہے)
سلیم۔ (آہ بھر کر) ہا میری اور ثریا کی تسلیوں اور دروغ گوئیوں نے اس کی زبان
کھلوائی اور میں نے طرح طرح سے اطمینان دلا کر اس سے وعدہ لیا۔ کہ وہ خود کشی کی کوشش
نہ کرے گی۔ (خاموش ہو کر اندیشہ ناک تفکرات میں غرق ہو جاتا ہے۔)
بختیار۔ (کچھ دیر بعد کھنکار کر) میں نے تم کو منع بھی کیا تھا۔ مگر تم نہ مانے۔
سلیم۔ اب تم جانتے ہو۔ انارکلی اور تم کس قدر خطرے میں ہو۔ اتنا بڑا راز اور
ایک کنیز اس سے واقف کسی وقت کسی لمحے اس کی ناخوشی، اس کی ناراضی صرف
اس کی بے وقوفی۔
اس راز کے انکشاف سے تمام محل میں ایک آگ لگا سکتی ہے اور پھر اس کا

انجام ظل الٰہی سا باپ اور فرزند خدا جانے کیا ہوگا۔

سلیم۔ (حرف مطلب چھیڑنا چاہتا ہے) ہمیں فوراً دلآرام کی زبان بند کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بختیار۔ (کچھ دیر زیادہ شدت سے غور کر کے) مجھے ڈر ہے یہ کوشش معاملات کو بد سے بدتر نہ بنا دے۔

سلیم۔ میں سمجھتا ہوں۔ دلآرام صرف اس لئے وہاں آئی کہ مجھ پر ظاہر کر دے وہ میرے راز سے واقف ہے پھر اور اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ اور مجھے یقین ہے اب وہ اس راز کی واقفیت سے فائدہ اٹھانے کی آرزومند ہو گی۔ وہ قیمت چاہے گی

بختیار! (اس کے چہرے کی طرف یوں دیکھتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ کچھ اور کہے بغیر بختیار کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہے۔)

بختیار۔ (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) اور تم قیمت ادا کر دینا چاہتے ہو۔ لیکن کس قدر؟

سلیم۔ دلآرام کی توقع سے زیادہ

بختیار۔ ہوں (کچھ دیر سوچتا رہتا ہے) لیکن اگر ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد وہ دوسرے لمحہ خاموش رہنے کی قیمت چاہے اور اس طرح اپنی زندگی کا ہر لمحہ زر سرخ سے پُر کرنے کی آرزومند ہو تو سلیم، قارون کا خزانہ وفا نہیں کر سکتا۔

سلیم۔ (سر کی خفیف جنبش اثبات کے ساتھ آنکھیں تنگ ہوتی جا رہی ہیں) لیکن۔

بختیار۔ تم جانتے ہو زندگی سے یاس خیر کو کس قدر خوفناک بنا دیتی ہے۔

بختیار۔ (کچھ دیر بعد سوچ سے سر اٹھا کر) سلیم تم بھی کچھ کرو تمہاری راہ میں ایک کانٹا ضرور رہے گا جس کی چبھن دلآرام کو چتون پر منحصر ہو گی۔ پھر تم کیوں نہ چھوڑ دو۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ چھوڑ دو انارکلی کو، اس شہر کو، اس خطرناک فضا کو، اور یہاں

سے دو دو نیچوں کی سرداری یا دلفریب مناظر کی خاموشی میں سب کچھ بھول جاؤ۔

سلیم۔ بختیار! یہ مشورہ شہر کا ہر نان بائی مجھے دے سکتا تھا۔ تم سے مجھے زیادہ ہمدردی کی توقع تھی۔

بختیار۔ لیکن شہزادے اس پوشیدہ محبت کا انجام بہر حال میں خطرناک ہے۔ محل سرائے میں یہ محبت راز نہیں رہ سکتی۔ تم انارکلی کو اپنی بیگم نہیں بنا سکتے۔ پھر تم ؟

سلیم۔ (بے قراری سے بات کاٹ کر) میں کیوں انارکلی کو اپنی بیگم نہیں بنا سکتا۔ اس میں کیا نہیں جو میرے لئے ضروری ہے۔

بختیار۔ اس میں تمہارے لئے سب کچھ ہو لیکن ظل الٰہی کے لئے جن کے تم فرزند اور مغلوں کے لئے جن کی تم امید ہو کچھ بھی نہیں۔

سلیم۔ ظل الٰہی کا فرزند اور مغلوں کا ولی عہد ہونے سے پہلے میں انسان ہوں۔

بختیار۔ (بات کی اہمیت جانتے ہوئے آہستہ سے) اور وہ بھی انسان ہیں۔

سلیم (پریشان ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے) تم بحث چاہتے ہو۔ دلیلیں چاہتے ہو۔ میں ہمدردی چاہتا ہوں۔ مشکل کا حل چاہتا ہوں۔

بختیار۔ جو حل میں پیش کرتا ہوں تم سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے۔

سلیم۔ تم صرف یہ چاہتے ہو کہ میں دنیا کے خوف سے مفلوج ہو کر بیٹھ رہوں۔

بختیار۔ یہ خوف بزدلی نہیں تدبّر ہے (اٹھ کر محبت سے سلیم کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیتا ہے) ایک فلسفی دنیا کی چہ می گوئیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے دنیا کو مایوس کر کے مسکرا سکتا ہے تہمتوں پر ہنس سکتا ہے۔ محض یہ دیکھنے کو کہ کھسیانی دنیا کیا کرتی ہے۔ ہر الزام کو قبول کر لیتا ہے۔ دنیا کو دعوت کا مقابلہ دے کر اپنی عزت تلخ قہقہوں میں گنوا دیتا ہے لیکن ایک شہزادہ جسے دنیا نے سب کچھ بنا رکھا ہو جس کے تخت کے پائے دوسروں کے شانوں پر رکھے ہوئے ہوں جس سے اطاعت کے معاوضے میں امیدیں وابستہ ہوں وہ

دنیا کی مایوسی اور چہ میگوئی سے بے پرواہ ہونے کی جرأت کیونکر کر سکتا ہے۔

سلیم۔ (تلخ حقائق سے گھبرا کر بختیار کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتا ہے) لیکن بات گزر چکی۔ ضبط اور ایثار کا موقع جاتا رہا۔ میں اپنا دل کھول کر انار کلی کے سامنے رکھ چکا۔ اب تم یہ چاہتے ہو۔ تمہارا سلیم ایک کمزور اور بے بس لڑکی کی نظروں میں دروغ گو اور سنگ دل ثابت ہو۔

بختیار۔ (کچھ دیر چپ رہ کر) اگر تم نے ایک غلطی کا علاج دوسری غلطی سے کیا تو تم غلطیوں کے انبار کے نیچے دب جاؤ گے (توقف کے بعد) تم اپنے الفاظ سے پھر و گے لیکن ایک اہم تر مقصد کے لئے۔ تم دودمان مغلیہ کے چشم و چراغ ہو ظل الٰہی اور تمام مغلیہ ہند کی نظریں تمہارے مستقبل میں عظمتوں کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ جو کچھ ہو چکا۔ ہو چکا۔ ظل الٰہی کی خاطر غلاموں کی خاطر خود انار کلی کی خاطر سے بھول جاؤ۔

سلیم (تھوڑا دیر ٹہل کر) تم بزدل ہو، بہت بزدل ہو بختیار ہمیشہ معاملات کے تاریک پہلو دیکھتے ہو ہمیشہ شبہوں میں گرفتار رہتے ہو۔ تم خود یاس اور ناکامی کو دعوت دیتے ہو۔ تم۔ (قدموں کی آہٹ سنکر رک جاتا ہے)

(زعفران اور ستارہ حاضر ہو کر کورنش بجا لاتی ہیں)

زعفران اور ستارہ۔!

زعفران۔ (بختیار کو دیکھ کر ذرا شرماتی ہے لیکن بہت جلد سنبھل جاتی ہے) حضور مہارانی جی نے بھیجا تھا کہ۔۔

ستارہ (بات کاٹ کر شوخی سے) جھوٹ بالکل جھوٹ میں بتاؤں حضور۔ ابھی آپ سنور کر آرہی تھیں، راستے میں مل گئی۔ میں کہنے لگی چلو صاحب عالم کی طرف چلیں۔

زعفران (شرما کر جلدی سے) حضور اس کی نہ سنیئے۔ بکتی ہے لپاٹن کہیں کی۔

ستارہ۔ (بات کاٹ کر) اور اگر صاحب عالم نے پوچھا کہ کیسے آئیں تو کیا کہیں گے؟

بولیں۔ کہدیں گے مہارانی جی نے بھیجا ہے۔

زعفران۔ (ناز سے بگڑ کر) تمہیں مانے گی ستارہ؟

ستارہ۔ (شوخی سے بار بار زعفران کی طرف دیکھتے ہوئے) اور میں نے کہلوا بھیجا تو آنے پر مہارانی جی نے پوچھا کہاں گئی تھیں۔ تو کیا جواب ہوگا۔ بولیں۔ کہدیں گے۔ صاحب عالم نے بلوایا تھا۔

زعفران۔ (کھسیانے پن سے) حضور چل کر پوچھ لیجئے مہارانی جی سے۔ چڑیل کہیں کی اچھا یاد رکھیو تو۔

بختیار۔ (لڑکیوں کی تیز اور شوخ باتوں نے سب کچھ بھلا دیا ہے مسکرا کر) تم نے کسی جھروکے میں سے۔ ہم کو آتے نہیں دیکھ لیا تھا؟

زعفران۔ (ادا سے) ہم تو ایک نئی غزل سنانے آئے تھے۔

بختیار۔ خوب بھلا سنیں تو؟

ستارہ۔ گائیں گی ٹوٹی ہوئی بین کی طرح۔

سلیم۔ (خیال سے چونک کر) نہیں زعفران اس وقت نہیں

ستارہ۔ اور بھلا کوئی وقت ہے غزل سننے کا؟

بختیار۔ سنیئے بھی قبلہ۔ کیا مضائقہ ہے (زعفران سے) تو تو تھوڑی سی سناؤ جلدی سے۔

زعفران (ناز سے) یوں تو ہم نہ سنائیں گے۔

بختیار۔ اور

زعفران۔ اطمینان سے پوری غزل سنائیں گے ہم تو۔

بختیار۔ (دلچسپی بڑھتی جارہی ہے) خوب بھئی بڑے مزے کی چیز ہو تم تو آیا کرو نہ یہاں!

ستارہ۔ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو آپ ہی آ چکی،

زعفران۔ اچھا مردار دید! آج دیکھو تو۔

بختیار۔ (تنگ آکر ستارہ زعفران (سلیم ٹہل کر پیچھے برج کی طرف چلا جاتا ہے۔)

زعفران۔ (غزل شروع کرتی ہے۔ بختیار بہت غور سے سنتا ہے اور داد دیتا رہتا ہے۔

این پیش خیل بنج کلهان سیه سیاه کیست | دیں قبلہ کنج شد طرف کلاہ کیست

یا ہم بہ بیش از سرایں کو ہمی رود | یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست

گردن سر تو کشتن و مردن گناہ من | دیدن ہلاک و رحم نہ کردن گناہ کیست

گفتا مے کشند بزلف و نمی گویدش کہ | کاں زلف و رحم از اشر دود آہ کیست

چوں بگذرد نظیری خونیں کفن بحشر | خلقے فغاں کنند کہ داد خواہ کیست

سلیم۔ (برج سے واپس آکر۔ ستارہ باتیں کر رہی ہے) تو ستارہ! دلآرام کو فوراً بھیج دینا کہہ دینا پان منگواتے ہیں۔

ستارہ۔ (زعفران سے) بے ادب چلتی ہو کہ جوتیاں کھا کر نکلو گی۔

زعفران۔ (جو بختیار کی میٹھی میٹھی نظروں کے جواب میں جھولے جا رہا ہے) تو کیوں جلی مرتی ہے

سلیم۔ جاؤ زعفران۔

بختیار۔ (زعفران سے) ہاں تو یاد رکھنا۔ کبھی کبھی، جب ہم آئیں تو معلوم کر لیا کرو کہ ہیں یہاں۔

(زعفران مسکراتی ہوئی چلی جاتی ہے بختیار دیر تک کھڑا مسکرا مسکرا کر اشارے کرتا رہتا ہے۔)

سلیم۔ بختیار تم سچ کہتے ہو۔

بختیار۔ واللہ خوب چیز ہے (بات کر کے سلیم کے چہرے پر نظر ڈالتا ہے۔ اسے فکر مند دیکھ کر شرما جاتا ہے۔)

سلیم۔ اس بات نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے اس کے خطروں کا

پوری طرح اندازہ لگانا مشکل ہے۔

بختیار (اب سنبھل چکا ہے) تم نے دلآرام کو بلایا ہے۔

سلیم۔ ہاں اس پس و پیش کی اذیت مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی، اور مجھے کچھ معلوم نہیں انارکلی، اس غریب کی کیا حالت ہو گی۔ بختیار!

بختیار۔ لیکن تم دلآرام سے کہنا کیا چاہتے ہو؟

سلیم۔ مجھے یقین ہے اس کی خاموشی کو خریدا جا سکتا ہے۔

بختیار۔ لیکن کتنے کے لیے۔ آخر اس سے کیا حاصل؟

سلیم۔ (آہ بھر کر) یہ ملاقات سے معلوم ہو گا۔

بختیار۔ (آہٹ پر کان لگا کر) کوئی آ رہا ہے۔

سلیم۔ دلآرام۔

بختیار۔ میں ادھر ڈیوڑھی میں ٹھہرتا ہوں۔

(بختیار جلدی سے واپس ہو جاتا ہے۔ سلیم مسند پر بے فکری کے انداز میں بیٹھ جاتا ہے۔)

دلآرام خاصدان لیے ہوئے داخل ہوتی ہے اور سلیم کے قریب کھڑی ہو جاتی ہے۔ دونوں خاموش رہتے ہیں۔

دلآرام (کچھ دیر بعد) حضور نے پان طلب فرمائے تھے۔

سلیم۔ رکھ دو۔ دلآرام

(دلآرام خاصدان میز پر رکھ دیتی ہے۔ پھر دونوں خاموش ہیں۔)

دلآرام۔ کوئی اور حکم؟ سلیم خاموش رہتا ہے دلآرام ذرا جواب کا انتظار کرتی ہے) میں رخصت ہوتی ہوں (دروازے کی طرف جاتی ہے)

سلیم۔ ٹھہرو، دلآرام۔

دلآرام جہاں ہے تم جاتی ہے۔ سلیم پھر خاموش ہوجاتا ہے آخر کچھ دیر کے پس وپیش کے بعد)

میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

دلآرام۔ (قریب آکر) ارشاد۔

سلیم۔ (دوسری طرف دیکھتے ہوئے) تم پوچھ سکتی ہو کس معاملہ کے متعلق گفتگو کروں گا۔

دلآرام۔ ضروری تو نہیں۔

سلیم۔ (تامل کے بعد) میں چاہتا ہوں تم جو کچھ جانتی ہو وہ راز رہے۔

دلآرام۔ یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ کنیزیں اتنی عالی ظرف ہو سکتی ہیں۔

سلیم (اس جواب کے لئے تیار نہ تھا سمجھ میں نہیں آتا اب کیا کہے۔ کچھ دیر گومگو کے عالم میں رہتا ہے) مگر دلآرام تم بتاؤ گی۔ تم وہاں کیوں آگئی تھیں۔

دلآرام۔ آپ کے انتخاب پر آپ کو مبارک باد دینے۔

سلیم۔ تم کچھ چھپا رہی ہو دلآرام؟

دلآرام۔ جس قدر آپ میرے بلانے کا مقصد چھپا رہے ہیں۔

سلیم۔ میں بتا چکا ہوں۔ میں رازداری چاہتا ہوں۔

دلآرام۔ (سر جھکا کر) ایسا ہی ہوگا۔

سلیم۔ (پہلی مرتبہ دلآرام کی طرف دیکھ کر) اب اور تم۔

دلآرام۔ (سر جھکائے کچھ دیر خاموش کھڑی رہتی ہے۔ آخر تامل سے) اس کی قیمت چاہتی ہوں۔

سلیم۔ (چہرے پر خفیف سا تبسم ہے) میں جانتا تھا۔ تم کو قیمت مقرر کرنے کی آزادی ہے لیکن واضح رہے مجھے یکمشت قیمت ادا کر دینا زیادہ پسند ہے

دلآرام۔ (دیر تک سر جھکائے خاموش کھڑی رہتی ہے آخر منہ دوسری طرف

موڑ لیتی ہے)

صاحبِ عالم وہ سونا نہیں جواہرات نہیں ایک بد نصیب کنیز ان چیزوں پر جان دیتی ہے۔ لیکن اس کی زندگی بعض ان سے بھی زیادہ پیاری چیزوں سے خالی ہوتی ہے۔

سلیم۔ (اعتماد انگیز انداز میں) پھر تم کیا چاہتی ہو۔

دلآرام۔ (مڑ کر حیرت ناک نظروں سے سلیم کو دیکھتی ہے اور کچھ کہنا چاہتی ہے مگر رک جاتی ہے، آخر ہمت کر کے) تم خود نہیں پوچھ سکتے شہزادے؟

سلیم۔ (کسی قدر چونکتا ہو کر) میں صاف لفظوں میں قیمت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

دلآرام۔ قیمت؟ (توقف کے بعد) آہ یہ لفظ سب کچھ برباد کئے دیتا ہے۔

سلیم۔ (کسی قدر بگڑ کر) میں پہیلیاں بوجھنا نہیں چاہتا۔

دلآرام۔ (حوصلہ کر کے محبت کے واضح انداز میں کہتی ہے) تم نہیں بوجھ سکتے۔ شہزادے! جب ایک کنیز تمہارے لئے پان لے کر آتی ہے تو وہ کیا چاہتی ہے!

سلیم۔ (حیرانی سے) کیا چاہتی ہے؟

دلآرام۔ (توقف کے بعد بے بس ہو کر) تم نہیں بوجھ سکتے۔ جب وہ ایک شہزادے کو دوسری کنیز کے ساتھ محبت کرتے ہوئے دیکھتی ہے تو وہ کیا چاہتی ہے!

سلیم۔ (حیرت بڑھ رہی ہے۔ الفاظ سن رہا ہے مگر یقین نہیں کرنا چاہتا۔ کیا چاہتی ہے۔

دلآرام۔ تم کتنے ظالم شہزادے ہو۔

سلیم (وقار سے) مت بھولو۔ تم کس سے گفتگو کر رہی ہو۔

دلآرام (بے اختیاری سے) میں عورت ہوں۔

سلیم۔ میں صرف مرد نہیں ہوں۔

دلآرام - تم نہ سمجھنا چاہو تو میں بے بس ہوں۔

سلیم - (شبہ ہے کہ وہ غلط تو نہیں سمجھ رہا) میں سننا چاہتا ہوں۔

دلآرام - میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی، میں ایک غزل سناتی ہوں۔ میری آواز بیان کرے گی۔

(دلی جوش کے ساتھ غزل سنانا شروع کرتی ہے۔ سلیم مبہوت بنا ہوا سنتا رہتا ہے)

غزل

بملازمانِ سلطاں کہ رساند ایں دعا را
کہ بشکر بادشاہی زنظر مراں گدا را

چہ قیامت است جاناں کہ بعاشقاں نمودی
رخ ہمچو ماہ تاباں دل ہمچو سنگ خارا

دل عالمے بسوزی چو عذار برفروزی
تو ازیں چہ سود داری کہ نمی کنی مدارا

ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیم صبح گاہی
بہ پیام آشنائی بنوازد آشنا را

سلیم - (نہیں رہا جاتا۔ یکلخت اسے روک دیتا ہے) کیا کہہ رہی ہے دلآرام؟

دلآرام (دوزانو ہو کر) شہزادے میں تیری کنیز ہوں۔

سلیم - (حیرت کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے) یا خدایا! تجھے جرأت کیسے ہوئی؟

دلآرام - (پھوٹ بہتی ہے) جرأت انارکلی سے پوچھو میرے آئینے سے پوچھو اپنی آنکھوں سے پوچھو، میں نہیں جانتی ہوں۔ مجھے کبھی جرأت نہ ہوئی تھی۔ تم سے کہوں۔ آج تقدیر نے مجھ کو موقع دیا۔ تمہارے راستے میں لا ڈالا۔ میں محبت کے صرف ایک لفظ کی محتاج ہوں۔ شہزادے، میرے شہزادے!

سلیم - (بے انتہا غصے اور نفرت سے) بے وقوف۔

دلآرام - (وقار سے کھڑی ہو جاتی ہے) صاحبِ عالم، میرا دل بے اختیار سہی - لیکن مجھ میں خود داری باقی ہے۔

سلیم۔ کمینی! اس قدر دلیری، تو نے کیا سمجھ کر یہ کہا۔ سلیم کنیز کی دھمکیوں سے سہم جائیگا۔ جیرت ہے ہماری نرمی کا یہ اثر! پھر اب سُن رکھو! دلآرام۔ اگر تیری سر بریدہ نعش راوی کی لہروں پر تیر رہی ہوگی۔

دلآرام۔ ہماری گفتگو تمام ہوئی۔ (آداب بجا لاکر رخصت ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی چبوترے کی سیڑھیوں تک پہنچتی ہے۔

سلیم۔ (مسند پر بیٹھ کر سامنے تکتے ہوئے) ٹھہرو! دلآرام میں ایک بار پھر تمہیں موقع دیتا ہوں۔

دلآرام۔ (سیڑھیوں پر سے) مجھے اور کچھ عرض نہیں کرنا۔

سلیم۔ (پھر کھڑا ہو جاتا ہے) دلآرام تم پچھتاؤ گی۔ اب سوچ لو۔ یہ وقت تمہیں پھر حاصل نہ ہوگا۔

دلآرام۔ (چبوترے پر سے) آپ جب یاد فرمائیں گے میں پھر حاضر ہوں گی۔ (جانا چاہتی ہے)

سلیم۔ (بے قابو ہو کر) لیکن دلآرام تم بھی یہ سمجھ کر غور کرنا۔ جو الزام تم انارکلی پر لگا رہی ہو، وہ اب تم پر بھی عائد ہوتا ہے اگر تم کہہ سکتی ہو کہ سلیم انارکلی کو چاہتا ہے۔ تو سلیم کہہ سکتا ہے کہ دلآرام سلیم کو چاہتی ہے۔ ہاں یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ ناکامی نے دلآرام کو انتقام لینے پر مجبور کر دیا ہے (ذرا دیر خاموش ہو جاتا ہے کہ دلآرام کو اپنی بے چارگی کا احساس ہو) تم اپنے جال میں خود گرفتار ہو۔

دلآرام۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو شہزادے! اگر ہم ایک دوسرے کے متعلق کسی سے کچھ کہنا چاہیں تو ثبوت کے گواہوں کی ضرورت ہے! (دلآرام کے چہرے پر ایک خفیف سا تبسم نمودار ہوتا ہے۔ سلیم آنکھیں کھولے اسے تک رہا ہے۔ کہ اب وہ کیا کہے گی۔

(یکلخت پردے سرکتے ہیں۔ اور بختیار چبوترے پر دوسری طرف سے
داخل ہوتا ہے)

بختیار (مضحکہ انگیز تعظیم سے) لیکن سلیم گواہ حاصل کر چکا!

دلآرام۔ (چہرے پر سے تبسم یوں غائب ہو جاتا ہے۔ جیسے اس پر بجلی گر پڑی
ہو وہ دوڑی ہوئی آتی ہے۔ صاحب عالم سلیم کے قدموں میں گر پڑتی ہے)

سلیم۔ (بختیار کو دیکھتے ہوئے) بختیار! میں بھول چکا تھا تم ادھر موجود ہو۔
(دلآرام سے) دلآرام جاؤ۔ اور اس واقعہ کو یاد رکھو۔

(دلآرام اٹھتی ہے۔ اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے سسکیاں بھرتی ہوئی
رخصت ہوتی ہے)

(بختیار سیڑھیاں اتر کر سلیم کے قریب آتا ہے سلیم محبت سے اس کے کندھے
پر ہاتھ رکھ دیتا ہے)

بختیار! تم نے مجھے ہر خطرے سے محفوظ کر دیا۔
ایک چال کا جواب دے لینے سے بازی کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔

سلیم۔ (بختیار کا چہرہ تکتے ہوئے۔)

بختیار! تم اناڑی شاطر ہو۔ حریف اور چال سوچ لے گا۔ مہلت سے
فائدہ اٹھاؤ اور اسی وقت ہنس کر بساط الٹ ڈالو۔

(بختیار یہ کہہ کر یک لخت رخصت ہو جاتا ہے سلیم اسے دیکھتا رہتا ہے۔
پھر سوچ میں مسند پر بیٹھ جاتا ہے اطمینان اور فرحت کی ایک انگڑائی لیتا ہے
اور تکیے پر سر رکھ دیتا ہے)

(پے در پے واقعات کے بعد اب بے فکری حاصل ہونے سے میٹھی نیند
اس کی پلکیں بند کر رہی ہے کہ پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

(پردہ)

منظر دوم

انارکلی کا حجرہ۔

ہلکے سے زرد رنگ کی دیواروں کا مختصر سا حجرہ ہے جس میں سامانِ آرائش بہت کم ہے۔ دیواریں سادہ ہیں سامنے کی دیوار کے مغلیہ انداز کے تین جالی دار دریچے ہیں جن کے پردے اگر کھلے ہوں تو ویرانے پائیں باغ کے جھکے ہوئے معمر درخت اور خشک فوارے نظر آتے ہیں۔ دائیں بائیں نین تین دروازے ہیں۔ دائیں ہاتھ کے دروازے سہ دری میں کھلتے ہیں۔ اور بائیں ہاتھ کے کمرے کو جاتے ہیں۔

ایک کونے میں ذرا نیچا چوکور درخت ہے جس پر سبز اطلس کی سوزنی بچھی ہے اوپر آسمانی مخمل کے چھوٹے بڑے تکیئے بے ترتیب پڑے ہیں۔

پاندان پہلا رکھا ہے۔ ستار اور سارنگی کونے میں کھڑی ہے بستار پر پھولوں کا ایک بڑا سا مرجھایا ہوا ہار لٹک رہا ہے دوسرے کونے میں ایک پلنگ گیری پر بستر بچھا ہے اوپر سبز ریشم کا پلنگ پوش پڑا ہے جس کی سلوٹیں کہہ رہی ہیں کہ پچھلی رات سے پلنگ پر سے نہیں اٹھایا گیا۔ عنف نیلے پردے جن پر سبز ریشم کے مغلیہ محرابوں کے نمونے بنا دیئے ہیں۔ دروازوں اور دریچوں پر کھنچے ہوئے ہیں۔ باہر صبح روز روشن میں تبدیل ہو چکی ہے لیکن پردوں کی وجہ سے اس حجرہ میں اندھیرا ہے۔

انارکلی تخت کے کناروں پر یوں بیٹھی ہے جیسے کھڑے کھڑے تھک کر چور ہو گئی ہو۔ اور محض سہارے کی خاطر بیٹھ گئی ہو۔ بال بکھرے ہوئے ہیں۔ چہرہ پیاسی ہے آنکھیں بھاری۔ پریشان نظروں سے ادھر ادھر تک رہی ہے اور مٹھیاں کبھی کھولتی ہے اور کبھی بند کرتی ہے۔

انارکلی۔ سب کو معلوم ہو گیا۔ پھر کیوں نہیں آتے اور مجھ کو پکڑ لے جاتے۔ دانجام سے

کیوں سنتے ہو۔ آؤ مجھ سے سنو۔ مجھے محبت ہے کنیز کو ولی عہد سے سلیم سے میں نے جان بوجھ کر یہ زہر پیا اس کا مزہ زندگی سے زیادہ میٹھا تھا۔ اور کیا چاہتے ہو؟ سزائیں پھر سوچ لینا پہلے لے جاؤ۔ یہاں سے مجھ کو لے جاؤ۔ یوں نہیں مرا جاتا۔

(سہ دری میں سے) ایک قہقہہ کی آواز آتی ہے کوئی خواجہ سرا کھلکھلاتا ہوا گزر رہا ہے۔ (انارکلی قہقہہ کی آواز سے سہم جاتی ہے)

آ پہنچے۔ آ پہنچے! میرے اللہ!!

(بھاگتی ہے اور دوسری طرف کے دروازے کے پردے میں چھپ جاتی ہے کچھ اندر ہی اندر دبکی ہوئی منتظر رہتی ہے۔ آخر پردہ سرکا کر سراسیمہ نظروں سے جھانکتی ہے۔ پھر آہٹ پر کان لگا دیتی ہے۔ اطمینان ہو جاتا ہے تو ڈگمگائے قدم پھونک پھونک کر رکھتی ہوئی باہر آتی ہے۔ کچھ دیر تخت کے قریب خاموش کھڑی رہتی ہے اس کا کیا یہ وہم ان شبیہ جذبات کی تاب اب وہ اس راز کی واقفیت سے فائدہ اٹھانے کی آرزو مند ہوگی۔ اور یوں چاہے بختیار! (اس کے چہرے کی طرف یوں دیکھتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ کچھ اور کہے بغیر بختیار کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہے۔

بختیار۔ (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) اور تم قیمت ادا کر دینا چاہتے ہو لیکن کس قدر؟

سلیم۔ دلآرام کی توقع سے زیادہ

بختیار۔ ہوں (کچھ دیر سوچتا رہتا ہے) لیکن اگر ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد وہ دوسرے لمحہ خاموش رہنے کی قیمت چاہے۔ اور اس طرح اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ زرسرخ سے پر کرنے کی آرزو مند ہو تو سلیم قارون کا خزانہ وفا نہیں کر سکتا۔

سلیم۔ سر کی خفیف سی جنبش اثبات کے ساتھ آنکھیں تنگ ہوتی جا رہی ہیں لیکن بختیار تم جانتے ہو زندگی سے یاس شیر کو کس قدر خوفناک بنا دیتی ہے۔

بختیار۔ راہ میں کسی کو پڑا دیکھ کر فکر مندی سے اس کی طرف بڑھتی ہے نادرہ!

انارکلی - چونک کر یکلخت اٹھتی ہے اور دور ہٹ جاتی ہے - اماں ؟

ماں - کیا ہے بیٹی -

انارکلی - تمہیں معلوم ہو گیا

ماں - کیا

انارکلی - تم کیوں آئی ہو - یکلخت اٹھتی ہے -

ماں - نادرہ

انارکلی - (ماں کو تکتے ہوئے) تو ابھی نہیں معلوم ہوا اور سر جھکا کر چپ ہو جاتی ہے -

ماں - پریشانی کے عالم میں قریب جا کر) کیا ہوا نادرہ بیٹی ؟ میری جان نادرہ

انارکلی - (آہستہ سے) اماں ؟ کی طرف دیکھتی ہے اور بچوں کی طرح اس سے لپٹ جاتی ہے)

ماں - پیلے لپٹائے انارکلی کا منہ اوپر کو کرتی ہے ، یہ تو ڈری ہوئی کیسی تھی ؟

انارکلی - بے بسی کی نظروں سے ماں کو تکتی ہے - ہاں اماں میں تو ڈری تھی -

ماں - بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہے اور نہ معلوم ہو گیا کیا پوچھ رہی تھی -

انارکلی - ٹلانے کو الگ ہو جاتی ہے - نہیں تو ماں -

ماں - نادرہ !

انارکلی - مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے) کچھ نہیں بی رات کو دیر میں سوئی پریشان خواب نظر آتے رہے ابھی ابھی تو آنکھ کھلی اسی کا خیال ستا رہا تھا -

ماں - اے ہے تیری پھٹی پھٹی آنکھیں دیکھ کر میرا تو کلیجہ دھک سے رہ گیا - وہ تو خیر ہوئی کہ میں آ گئی نہیں تو نہ جانے تیری کیا حالت ہوتی (محبت سے پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر) لے اب باہر چل - ساری دنیا اٹھ بیٹھی - کام کاج میں لگ گئی - سورج سر پر

آگیا۔ تو ابھی حجرے سے باہر نہیں نکلی۔

انارکلی۔ (اوپر سے سرک کر) ابھی باہر نہ جاؤں گی۔

ماں۔ وہ کیوں؟

انارکلی۔ یوں نہیں اماں! (عاجزی سے) ابھی نہیں۔

ماں۔ (حیرانی سے) کوئی وجہ بھی۔

انارکلی۔ کچھ نہیں (توقف کے بعد) میرا جی گھبراتا ہے روشنی سے۔

ماں۔ (تشویش سے) ارے! عجیب جی ہے تیرا۔ تو کیا اب رات کو باہر نکلا کریگی؟ میں کہتی ہوں تیرا یہ حال کیا ہوتا جا رہا ہے اللہ جانے کچھ عجب ہی ہے، میری سمجھ میں آتا نہیں۔ میں تو مہارانی سے کہہ کر کسی حکیم کو بلاتی ہوں۔

انارکلی۔ (فکرمندی سے) نہیں اماں حکیم کیوں، اچھی خاصی تو ہوں۔

ماں۔ کیسے نہیں حکیم! ایسے ہوا کرتے ہیں اچھے خاصے؟

انارکلی۔ (ذرا دیر چپ کھڑی سوچتی رہتی ہے) مہارانی ہی سے کہنی ہو تو ایک بات اور کہہ دو اماں۔

ماں۔ کیا؟

انارکلی۔ (تامل کے بعد) مجھے یہاں سے کہیں بھجوا دو۔

ماں۔ اے وہ کیوں؟

انارکلی۔ اس محل میں زندہ نہ بچوں گی۔ اس کی دیواریں ہر وقت میری طرف بڑھی آ رہی ہیں۔ کسی روز ٹکرائیں گی۔ اور مجھ کو پیس ڈالیں گی۔

ماں۔ (سراسیمہ ہو جاتی ہے) نادرہ! خدا کے لئے کیسی باتیں کرتی ہے بچی میرا دل ہول کھاتا ہے۔

انارکلی۔ (مایوسی سے) پھر نہیں بھجوا سکتیں اماں۔

ماں۔ (کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے) کیسے بھجوا دوں بیٹی؟ بھلا کیونکر اور پھر کون ہے میرا جس کے پاس بھجوا دوں۔

انارکلی (لجاجت سے) اماں کہیں بھی، کسی جگہ جنگل ہی میں چھوڑ دیں۔ یہاں سے لے جائیں۔

ماں۔ خوف زدہ ہو کر تشویش ناک نظروں سے بیٹی کو دیکھ رہی ہے۔)

نادرہ! تجھے کیا ہو گیا ہے؟

انارکلی۔ کچھ نہیں اماں (چپ ہو جاتی ہے) مجھے گلے لگا لو (ماں پاگلوں کی طرح اس کا منہ تک رہی ہے) گلے بھی نہ لگاؤ گی اماں۔

ماں۔ بیٹی میں تو تجھے دل میں بٹھا لوں پر مجھے ڈر لگتا ہے (انارکلی بچوں کی طرح ہاتھ بڑھا دیتی ہے۔ ماں گلے لگا لیتی ہے انارکلی اس سے چمٹ جاتی ہے۔

(ثریا بھاگتی آتی ہے)

ثریا۔ (ہانپتے ہوئے) آپا۔

انارکلی (یکلخت ماں سے الگ ہو کر) ثریا!

ثریا۔ ماں کو دیکھ کر کچھ نہیں تھا۔

ماں۔ (ثریا کو ہانپتا دیکھ کر) ثریا کیسے آئی۔

ثریا۔ کیسے (ٹلانے کو) بھاگ کر آئی ہوں۔

ماں۔ پگلی کہیں کی۔

انارکلی (پر معنی استفسار کے انداز میں) ثریا؟

ثریا۔ اطمینان بخش انداز میں۔ جی آپا۔ آؤ نا باہر چلیں۔ تمہیں باغ میں لے جانے کو آئی ہوں۔

ماں۔ ہاں ننھی اسے لے جا کہیں۔ تو ہی بہلائے گی اور بھی میں تو آج مہارانی سے

مشورہ کرتی ہوں اور نہیں تو کل کلاں کو کچھ ہو گیا تو میں کس کی ماں کو ماں کہہ کر پکاروں گی۔

(گھبرا کر رخصت ہوتی ہے دروازے کے قریب جا کر رکتی ہے اور سہ دری کے تمام دروازوں کے پردے کھول دیتی ہے)

ثریا۔ (بڑی بیتابی سے اس کے جانے کی منتظر ہے۔ نظروں سے اوجھل ہوتے ہی پھٹ پڑتی ہے) آپا! آپا! صاحبِ عالم نے کہا ہے کہ کچھ نہیں ہو گا۔

انارکلی۔ سب ٹھیک ہو گیا۔ اب کچھ ڈر نہیں آپا! میری لاڈو! (انارکلی سے لپٹ جاتی ہے۔ انارکلی اسے الگ کرتے ہوئے) کیسے ثریا؟

ثریا۔ انھیں دلآرام کی اتنی بڑی بات معلوم ہو گئی۔ کہ اب وہ کچھ کہنے کی جرأت نہ کرے گی۔

انارکلی۔ کیا بات؟

ثریا۔ دلآرام! صاحبِ عالم پر مرتی ہے۔

انارکلی۔ ہا (سامنے دیکھتی رہ جاتی ہے)

ثریا۔ انارکلی کو کھینچ کر پاس تخت پہ بٹھا لیتی ہے) صاحبِ عالم نے جب دلآرام سے کل رات کی بات چھپانے کو کہا تو اس نے صاحبِ عالم پر محبت ظاہر کی ڈیوڑھی میں صاحبِ عالم کے دوست موجود تھے۔ انھوں نے سن لیا اور اندر آ گئے۔ بس پھر تو دلآرام کے کاٹو تو لہو بدن میں نہیں۔

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) دلآرام اب کچھ کہہ سکتی ہے۔

ثریا۔ تو اب صاحبِ عالم بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ دلآرام نے جلن کے مارے الزام گھڑا ہے۔ جی ہاں۔

انارکلی (اثبات میں سر ہلا کر چپ ہو جاتی ہے)

اب کاہے کا ڈر آپا۔ آپا۔ اٹھ کر مارے خوشی کے ناچنے لگتی ہے)

انارکلی۔ دلآرام صاحب عالم کو چاہتی ہے۔

ثریا۔ ناچتے ناچتے رک کر) اور صاحب عالم اس کی صورت سے

بیزار ہیں۔ آہا (پھر ناچنے لگتی ہے)

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) دلآرام اب کیا کرے گی؟

ثریا۔ صاحب عالم کی زبان بند رکھنے کو انہیں خوش کرے گی۔

انارکلی۔ ہوں۔

ثریا۔ (انارکلی کو گدگدا کر) اب تو وہ خود مختاری اور صاحب عالم کی ملاقاتیں کرائیگی۔

انارکلی۔ (گھبرا کر) نہیں نہیں۔

ثریا۔ (سہ دری کی طرف دیکھ کر) چپ چپ آپا چپ۔ دلآرام دونوں

باہر کو تکنے لگتی ہیں)

انارکلی۔ (انارکلی گھبرا کر کھڑی ہوجاتی ہے) مجھ سے نہ ملا جائے گا۔ جانا چاہتی ہے۔

ثریا۔ کہاں جاؤں گی۔ اور اب کیتک! اب تو وہ خود دبی ہوئی ہے تم کیوں گھبراتی

ہو اور میں جو موجود ہوں۔

انارکلی پریشانی کے عالم میں کھڑی ہے کہ دلآرام آجاتی ہے۔ بہت مغموم اور افسردہ

ہے۔ ثریا کو دیکھ کر ٹھٹھکتی ہے۔ ذرا دیر تینوں خاموش اور بے چین سی رہتی ہیں۔

دلآرام۔ آخر ہمت کر کے انارکلی!

انارکلی دلآرام سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہیں کرتی) میں تم سے

معافی مانگنے آئی ہوں۔

ثریا۔ (لپک کر) معافی کیسی؟

دلآرام۔ (تامل سے) کہ میں کل رات باغ میں آگئی تھی۔

ثریا۔ ملنز سے) اور کوئی تم سے بھی معافی چاہتی ہے۔ انارکلی ثریا کو اشارے سے رد کنے کی کوشش کرتی ہے۔

دلآرام (تنبیہہ کے انداز میں) ثریا!

دلآرام۔ کون؟

ثریا۔ (پرواہ نہ کرتے ہوئے) بختیار جو ڈیوڑھی میں صاحبِ عالم کے پاس آگئے تھے۔

دلآرام۔ (معلوم نہ تھا کہ ثریا اس دوران میں سلیم سے مل چکی ہے گھبرا سی جاتی ہے) تو تمہیں معلوم ہو چکا میں یہی بتانے کو آئی تھی (یہی سب کچھ مجھے نہیں آتا کہ کیا کہے) میں تم کو اپنے متعلق اطمینان دلانے آئی تھی۔ (توقف) انارکلی تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ محبت کیسی بے پناہ چیز ہے۔ مجھے بھی سلیم سے محبت تھی۔ میں......

ثریا۔ (متانت سے) صاحبِ عالم کہو جی۔

دلآرام۔ (قطع کلام سے روانی جاتی رہتی ہے) تو وہ ہاں مجھے محبت تھی۔ اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ ایک بے بس کنیز کی محبت کتنی درد بھری ہوتی ہے۔ (انارکلی بے اختیار ہو کر آہ بھرتی ہے)

میں اسی محبت سے بے تاب تھی اور چاہتی تھی (ثریا سے نظر ملتی ہے۔ وہ بھنویں چڑھائے مضحکہ انگیز متانت سے باتیں سُن رہی ہے۔) مگر ثریا یہاں موجود ہے۔

ثریا۔ (کڑک کر) کیوں؟ میں تمہیں کاٹتی ہوں۔ کیا تم کہو۔ مجھے سب معلوم ہے۔

دلآرام ہے (تامل کے بعد) میں اتفاقاً رات کو باغ میں پہنچ گئی۔ مجھے بالکل امید نہ تھی تم وہاں ہو۔ میں اس وقت فارغ تھی۔ اپنی دکھ بھری سوچ میں یوں ہی ادھر چلی گئی۔ مجھے شبہ بھی ہوتا۔ کہ صاحبِ عالم اور تم وہاں موجود ہو، تو انارکلی یقین مانو میں کبھی ادھر نہ آتی۔

ثریا۔ دلآرام کے سامنے ہو کر اور کمر پر ہاتھ رکھ کر اور جناب کو شاید یاد نہیں رہا کہ آپ دو مرتبہ باغ میں تشریف لائی تھیں۔ آپ نے جو کچھ کہا وہ اگر سچ ہوتا تو آپ دوبارہ وہاں آنے کی تکلیف گوارا نہ فرماتیں۔

دلآرام۔ ہاں ہاں میں دوبارہ بھی آئی تھی (تامل کے بعد) اگر تم اسی پر تلی ہو کہ میری معذرت پر یقین نہ کرو۔ ایک کم نصیب کی ناکامیوں کو برہنہ دیکھو تو آؤ پھر سچ ہی سنو۔ اب رہا کیا جو میں چھپاؤں میں صاف صاف کہے دیتی ہوں۔

ثریا۔ (انگلی اٹھا کر) صاحب عالم۔

دلآرام۔ سے عشق تھا وہ جب کبھی حرم میں آتے یا باغ میں جاتے میں سائے کی طرح ان کے پیچھے پیچھے رہتی جب تک نظر آتے ستونوں کے پیچھے سے پیڑوں کی آڑ میں سے انہیں تکا کرتی۔ ایک کنیز جیسے محبت نے دیوانہ بنا رکھا ہو اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہے رات کو وہ چھپتے چھپاتے باغ میں جا رہے تھے۔ کہ فوارے کے پاس میں نے ان کی پرچھائیں دیکھی۔ اور بے تاب ہو کر ان کے پیچھے چل کھڑی ہوئی۔ وہ درختوں کے سائے میں غائب ہو گئے مگر میرے سینے میں بے چین تمناؤں کا ایک سیلاب چھوڑ گئے۔ میں نے انہیں ہر جگہ ڈھونڈا باغ کا گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا۔ اور آخر وہاں پہنچ گئی جہاں انارکلی تم بیٹھی تھیں

ثریا۔ اور دوسری بار

دلآرام۔ میں نے تمہیں دیکھا۔ انارکلی! تو نہ جانے کیوں آپ سے مجھے یقین ہو گیا کہ جسے تو چاہتی ہے وہ اسے چاہتے باغ میں آیا ہے۔ صاحب عالم وہاں نہ تھے پر مجھے یقین تھا کہ وہ تم سے ملنے وہاں آئے تھے۔ میں سچ کہوں گی۔ میں بے تاب ہو گئی۔ شعلے میرے دل سے اٹھ اٹھ کر دماغ تک پہنچنے لگے ہیں۔

میں وہاں سے ٹل گئی اور دیوانوں کی طرح روشوں پر پھرتی رہی میں سوچ رہی تھی اور کوئی آواز میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی کہ وہاں جہاں انارکلی بیٹھی ہے۔ مجھ سے آواز کا مقابلہ نہ کیا گیا۔ میں نے ان کو جنہیں میں چاہتی تھی اور تم کو وہ چاہتے ہیں اکٹھے دیکھ لیا۔ (غم سے سر جھکا لیتی ہے)

انارکلی۔ (متاثر ہو کر) دلآرام

دلآرام۔ انارکلی۔ تمہاری محبت کامیاب ہے۔ تمہیں کیا معلوم جس سے آپ کو محبت اپنے سے بے پرواہ اور دوسرے سے محبت کرتے دیکھ کر کیسا کچھ درد ہوتا ہے اور میں کمزور عورت ہوں میں تمام رات کھلی آنکھیں لئے بستر پر پڑی رہی۔ اور رات کے طویل گھنٹوں میں نامرادی میرے کانوں میں سائیں سائیں کیا کرتی۔ اور آج صبح جب صاحب عالم نے مجھے طلب کیا تو میری مرتی ہوئی امید نے آخری سنبھالا لیا۔ میرے دل نے کہا اگر ایک شہزادہ ایک کنیز سے محبت کر سکتا ہے۔ ایک دوسری بدنصیب کنیز بھی ایک مرتبہ اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ سکتی ہے۔ جو محبت اندر ہی اندر مجھے پھونک رہی تھی میری زبان پر آگئی۔

انارکلی۔ آہ!

دلآرام۔ (درد ناک انداز سے سر ہلا کر) لیکن میرے لئے کوئی امید نہیں۔ مجھے معلوم ہو گیا میری تقدیر میں محرومی کے سوا کچھ نہیں تم اگر صاحب عالم کو نہ بھی چاہو جب بھی کوئی امید نہیں۔ وہ تمہیں دیوانہ وار چاہتے ہیں۔ تم خوش قسمت ہو انارکلی! وہ تمہیں چاہتے ہیں اور مجھے نہیں چاہ سکتے ہیں۔ اب شاکر ہوں اپنی تمناؤں کا گلا گھونٹ دیا۔ میرے دل میں اب حسد کا نام بھی نہیں رہا۔ اب میری واحد خوشی ہے، میں اپنی محبوب کی محبوب کو چاہوں اسی میں اطمینان ہے اسی میں راحت ہے انارکلی بہن میرے قصور بخش دو کم نصیب سمجھ کر بخش دو۔ ہاری ہوئی رقیب سمجھ کر بخش دو (گھٹنوں

کے بل ہو کر انار کلی کا دامن پکڑ لیتی ہے)

انار کلی ۔ آہ بہن میں کیا کروں؟

دلآرام ۔ میرا اطمینان کرو تم نے مجھے بخش دیا ۔

(انار کلی دلآرام کو اٹھاتی ہے اور گلے لگا لیتی ہے)

"میرا شرمندہ چہرہ اور مجرم دل تمہاری نظریں برداشت نہیں کر سکتا ۔ میں جاتی ہوں ۔ (چلی جاتی ہے)

ثریا ۔ جو انار کلی کو متاثر دیکھ کر اس دوران میں بڑی بے قرار رہی ہے یکلخت دلآرام کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے) ٹھہرو دلآرام! میں انار کلی سے چھوٹی مگر اتنی سیدھی نہیں میں تمہیں خوب جانتی ہوں ۔ مدت سے جانتی ہوں ۔ دلآرام تم آپا کو باتوں میں لے آؤ لیکن یاد رکھنا ۔ انار کلی کے ساتھ تمہیں مجھ سے بھی نبٹنا ہو گا ۔ اور اگر تم شعلہ ہو تو میں بجلی ہوں ۔ اگر مجھے شبہ بھی ہوا کہ تم کوئی چال چل رہی ہو ۔ کسی ادھیڑ بن میں لگی ہو تو تم جانتی ہو مجھے کیا کچھ معلوم ہے ۔ یہ بجلی تمہیں پھونک کر راکھ کر دے گی ۔

دلآرام ۔ (مظلومی کے انداز میں) انار کلی، بہن!

انار کلی ۔ (بگڑ کر) ثریا!

ثریا ۔ آپا ۔

دلآرام رخصت ہوتی ہے ۔ ثریا غصے سے اپنے کمرے میں جاتی ہے ۔ انار کلی اسے تکتی رہ جاتی ہے ۔

"پردہ"

منظر سوم

قلعۂ لاہور میں سفید پتھر سے بنا ہوا ایک بلند مگر نہایت سادہ دل کش ایوان جسے دیکھنے سے دماغ پر ایک فرحت افزا خاموشی اور شگفتگی کا سا اثر ہوتا ہے۔

اکبر ایک مسند پر آنکھیں بند کئے اور پیشانی پر ہاتھ الٹا رکھے چپ چاپ لیٹا ہے معلوم ہوتا ہے سخت ذہنی محنت کے بعد اس کا دماغ تھک گیا ہے اور اب بالکل خالی الذہن ہو کر اپنے مضمحل اعصاب کو آرام پہنچانا چاہتا ہے۔

مہارانی پاس بیٹھی ہے۔ سامنے کنیزیں رقص کر رہی ہیں۔ مہارانی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے کچھ سوچ رہی ہے۔

اکبر ایک دو مرتبہ آنکھیں کھول کر یوں کنیزوں کی طرف دیکھتا ہے گویا ان کا رقص اسے تکلیف پہنچا رہا ہے۔ آخر ہاتھ اٹھاتا ہے اور کنیزیں جہاں ہیں وہیں ساکت ہو جاتی ہیں۔

مہارانی۔ (خاموشی سے چونک کر اکبر کو دیکھتی ہے) مہاراج۔

اکبر۔ (منہ موڑتے ہوئے کنیزوں سے) جاؤ۔

(کنیزیں رخصت ہو جاتی ہیں)

مہارانی۔ کیوں؟ مہابلی!

اکبر۔ (آنکھیں بند کئے ہوئے) راحت نہیں، ان کے قدم میرے تھکے ہوئے دماغ کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔

مہارانی۔ پھر اتنی محنت کیوں کرتے ہیں مہاراج؟

اکبر۔ آنکھیں کھول کر چپ چاپ پڑا کچھ دیر سامنے تکتا رہتا ہے اور پھر سکون

سے) شہنشاہ ہوں رانی۔

مہارانی۔ اور بھیر بھی۔

اکبر۔ (پرمعنی انداز میں) کس کا قیاس جرأت کر سکتا ہے کیا چاہتا ہوں۔

مہارانی۔ سیوک جو موجود ہیں۔

اکبر۔ (طنز کے خفیف تبسم سے) سیوکوں نے کتنے بادشاہوں کو اکبر اعظم بنا دیا۔

مہارانی۔ نورتن اتنے بے حقیقت ہیں۔

اکبر۔ (سکون سے) اگر ان کو اکبر کے خواب ہدایت نہ دیں۔

مہارانی۔ خواب؟

اکبر۔ خوابناک نظروں سے سامنے کہیں دور تکتے ہوئے) میری فوجیں، میری سیاست، میرے نورتن، میرے خوابوں کے پیچھے آوارہ ہیں۔ کون میری طرح نا ممکن کے خواب دیکھ سکتا ہے۔ میری عظمت میرے خواب ہیں رانی۔

مہارانی۔ آپ کی عظمت؟

اکبر۔ اور ابھی تک ہندوستان ایک مسکین کتے کی طرح میرے تلوے چاٹ رہا ہے، مگر ابھی تک میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ان دیکھا پڑا ہے اور میں اسے جنم دینے کا عزم اپنے میں نہیں پاتا۔

مہارانی۔ خواب کا جنم؟ کیا کہہ رہے ہیں مہابلی؟

اکبر۔ انسان کے جنم سے بہت زیادہ عزم چاہتا ہے، رانی! اور میں بہت تھک گیا ہوں اور اکیلا ہوں۔ شیخو۔ کاش شیخو

اکبر۔ اپنے اجداد سے مختلف نہ ہو۔ تورانی مغل۔

مہارانی۔ مغل کیا۔

اکبر۔ (آہستہ سے) لیکن ابھی کوئی جان سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے (کسی قدر

بے تاب ہو کر مغلوں میں کوئی خواب دیکھنے والا نہ تھا انہیں اکبر مل گیا اکبر کے جانشینوں میں تیمور کی طوفانی روح، بابر کی حیرت انگیز معلومات اور ہمایوں ہے۔

شیخو۔ (کڑک کر) زمین سر پٹک پٹک کر رہ جائے اور قبریں اور ہڈیاں اس کے سینے سے مغل علم کو نہ اکھاڑ سکیں۔

مہارانی۔ مناسب جواب کی کوشش میں) شیخو آپ کا موزوں جانشین ہوگا۔

اکبر (گرم ہو کر) اگر اس کا یقین ہو جاتا تو میں اپنے دماغ کا آخری ذرہ تک خواب میں تبدیل کر دیتا۔ لیکن میری تمام امیدوں سے وہ اتنا بے اعتنا ہے۔ اتنا بے نیاز ہے کہ میں۔ لیکن میرا سب کچھ وہی ہے میں نہیں کہہ سکتا۔ مجھے کتنا عزیز ہے۔ کاش وہ میرے خوابوں کو سمجھے۔ ان پر ایمان لے آئے۔ اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے فکر مند باپ نے اس کی ذات سے کیا کیا ارمان وابستہ کر رکھے ہیں۔ وہ اپنی موت کے بعد اس میں زندہ رہنے کا کتنا مشتاق ہے۔

(سوچتے ہوئے) لیکن ابھی کیا معلوم؟

مہارانی۔ ابھی بچہ ہی تو ہے۔

اکبر (فہمائش آمیز متانت سے) ہماری محبت دیوانی نہیں کہ اس کا سن و سال بھول جائے اور ہم چاہتے ہیں۔ اور تم بھی اسے یقین دلاؤ کہ فی الحال وہ ایک بے پروا نوجوان کے سوا کچھ نہیں۔

مہارانی۔ مگر وہ اپنے ہم عمروں سے بہت کچھ مختلف تو نہیں ہے۔

اکبر۔ (کسی قدر برافروختہ ہو کر) یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو؟ اکبر سے؟ جو اس عمر میں ایک سلطنت کا بوجھ اپنے کم سن کندھوں پر اٹھا چکا تھا۔ جس نے دنیا کی بے باک نظروں کو جھکنا سکھا دیا تھا۔ جو اس عمر میں مفتوح ہند کو متحد کرنے کے دشوار مسائل میں منہمک تھا۔ ہاں جو اس عمر میں خواب

تک دیکھتا وہ کر دکھاتا تھا (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) تم ماں ہو، صرف ماں۔

مہارانی۔ آپ بہت تھک چکے ہیں۔ آرام فرمائیے۔

اکبر۔ کوئی رقص لاؤ کوئی موسیقی۔ نرم و نازک پرجوش آہنگ (بیٹھ جاتا ہے) انارکلی کہاں ہے اس کو بلاؤ۔ وہ تھکے ہوئے دماغ کو ٹھنڈک پہنچانا جانتی ہے۔

مہارانی۔ انارکلی کہاں ہے مہاراج! اور اس کی ماں چاہتی ہے، آپ کی اجازت ہو تو اسے تھوڑے عرصے کو تبدیلی آب و ہوا کے لئے کسی دوسرے شہر کو بھیج دیا جائے۔

اکبر۔ (نیم دراز ہوتے ہوئے) حکیم نے اسے دیکھا۔

مہارانی۔ کچھ تشخیص نہ کر سکا۔ لیکن خود انارکلی سمجھتی ہے آب و ہوا کی تبدیلی اس کے لئے مفید ہوگی۔

اکبر۔ (بے پروائی سے) تم کو اعتراض نہیں تو اس کو اجازت ہے۔

مہارانی۔ لیکن حرم کے جشن میں تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اور انارکلی بنا جشن سونا رہ جائے گا۔

اکبر۔ (کروٹ لیتے ہوئے) پھر مت جانے دو۔

مہارانی۔ دبا ڈالنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

اکبر۔ زبردستی کیوں، ظاہر ہو جشن تک اس کو علاج کے بہانے ٹھہرا لیا جائے اور جشن میں شامل کرنے کے بعد رخصت دیدی جائے۔

مہارانی۔ لیکن وہ جشن کا اہتمام کیسے کر سکے گی۔

اکبر۔ صرف رقص و سرود۔ انتظام کسی دوسرے کے سپرد ہو۔

مہارانی۔ دلآرام۔

اکبر۔ ہاں کہاں ہے وہ؟ اس کو بلاؤ اس کا گیت ہمارے دماغ کو تازگی بخشے گا۔

(رانی تالی بجاتی ہے)

(ایک خواجہ سرا حاضر ہو کر دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے۔)

رانی۔ دلآرام۔

(خواجہ سرا رخصت ہو جاتا ہے)

جشن کے متعلق کوئی ہدایت!

اکبر (کسی قدر چڑ کر) ہمارا نورتن کو ہدایت دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مہارانی۔ جشن میں شطرنج کھیلیں گے آپ؟

اکبر۔ کون کھیلے گا ہم سے؟

مہارانی۔ میں سلیم سے کہوں گی۔

اکبر۔ اور اگر وہ جیت گیا۔ تو ہم کو خوشی ہوگی۔

دلآرام حاضر ہو کر مجرا بجا لاتی ہے۔

مہارانی۔ دلآرام! حرم سرا کے جشن کا اہتمام انارکلی کے بجائے تجھے کرنا ہوگا۔

دلآرام۔ بسر و چشم۔

مہارانی۔ اور انارکلی صرف رقص و سرود کے لئے شریک ہوگی۔

دلآرام۔ بہت بہتر۔

مہارانی۔ تو تو جانتی ہے جشن کے لئے کیا کچھ کرنا ہوگا۔

دلآرام حضور میں پہلے کئی جشنوں کا اہتمام کر چکی ہوں۔

مہارانی۔ اور دیکھ ظل الٰہی سلیم سے شطرنج کھیلیں گے۔

دلآرام۔ (کسی قدر چونک کر) صاحب عالم سے۔

مہارانی۔ ہاں، دلآرام۔

کہو۔ دلآرام کے دماغ میں سلیم اور انارکلی کے خیالات اس قدر گھومتے رہے ہیں کہ وہ شنکر سوچ میں کھوئی سی جاتی ہے۔

اکبر۔ جشن، شیش محل میں ہوگا۔ اور روشنی۔ تو شن رہی ہے؟

دلآرام۔ (چونک کر) صاحبِ عالم!

مہارانی۔ پگلی! کیا صاحبِ عالم!

(اکبر آنکھ کھول کر دلآرام کی طرف دیکھتا ہے)

دلآرام۔ صاحبِ عالم علیل تھے مہارانی۔

اکبر۔ نہیں وہ شریک ہوگا۔

مہارانی۔ سُنا جشن شیش محل میں ہوگا۔ اور روشنی۔

اکبر۔ اب بس۔ پہلے کوئی گیت سیدھا سادھا اور میٹھا مگر آواز دھیمی اور نرم گرم اور زخمی دماغ کو ایک ٹھنڈا مرہم چاہیئے۔ رقص ہلکا پھلکا گھنگھروؤں کا شور نہ ہو بہت چکر نہ ہوں۔ پاؤں آہستہ آہستہ زمین پر پڑیں۔ جیسے پھول برس رہے ہیں برف کے گالے زمین پر اتر رہے ہیں۔ لیکن خمار نہ ہو نیند نہ آئے۔ ہمیں بھی مصروف رہنا ہے۔ (دلآرام رقص شروع کرتی ہے مگر رقص کے دوران بھی وہ سوچ میں ہے اور دہنی مصروفیت کے باعث اس کے رقص میں نقص نظر آ رہے ہیں۔

اکبر۔ (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) کچھ نہیں، کسی کو نہیں آتا۔ کوئی نہیں جانتا۔ اور انارکلی علیل ہے (اکبر اور پیچھے پیچھے مہارانی جاتی ہیں۔)

دلآرام۔ (جیسے سوچ میں سن کھڑی رہ جاتی ہے) انارکلی ہوگی سلیم ہوگا اور اکبر بھی۔ کاش میں اکبر کو اس کی آنکھوں سے دکھا سکتی۔ آہ یہ ضروری ہوگا اور جشن ہی کے روز نہ تارے وہی روتا رہے مگر ایک دہکتا ہوا اور جگمگاتا ہوا اور دوسرا ٹوٹ کر بجھا ہوا۔ اور کون جانے! (آہستہ سے زمین پر بیٹھ جاتی ہے اور سر جھکا کر ایک گہری سوچ میں کھوئی جاتی ہے۔

(پردہ)

منظر چہارم

قلعہ لاہور کے شیش محل میں جشنِ نوروز!

جشنِ نوروز کی تقریب میں یوں تو تمام شہر اور قلعہ جاہ و جلالِ مغلیہ کا آئینہ بردار
بنا ہوا ہے۔ اور جس طرف بھی نظر اٹھتی ہے بہار کے خود فراموش عیش، ناز و تنعم کے آغوش
میں سوتے نظر آتے ہیں۔ لیکن حرم سرائے شاہی میں تجمل و شوکت کے ساتھ ذوق
اور چہل پہل کا ایسا دلآویز ہنگامہ ہے جس کی تابانی و درخشاں آنکھیں خیرہ کیے
دیتی ہیں۔ زربفت و کمخواب نے در و دیوار میں ایک آگ سی لگا رکھی ہے۔
ایران و ترکستان کے رنگا رنگ قالینوں نے زمین کو گلزار بنا دیا ہے۔ دروازوں پر
چین و ماچین کے خوش نگار پردے کسی طلسم کی رازداری کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔
جھاڑ فانوس قمقموں اور قندیلوں سے وسیع ایوانوں کی چھتیں دیلئے قمر کا آسمان نظر
آرہی ہیں۔ حرم سرا کے وسیع صحن میں دن کا وہ ہنگامہ تو نہیں رہا جو تلاوت اور دوسری
رسموں کے وقت برپا تھا۔ تاہم گہما گہمی کا اب بھی عجیب عالم ہے۔ نادرہ کار آتش
بازوں کی ہنرمندی کے نئے نئے نمونے جمع ہیں۔ تماشا دکھانے میں صرف ظلِ الٰہی
کے باہر آنے کا انتظار ہے۔ مقربین باری باری ظلِ الٰہی کے برآمد ہونے کی خبریں لا رہے
ہیں۔ جو کوئی اندر سے آتا ہے اس کے گرد ایک ہجوم جمع ہو جاتا ہے۔ زہرہ جمال بیگمیں
اور شہزادیاں ہلکے ہلکے رنگوں کی خوش وضع شلواروں پر جھل مل کرتی پشوازیں پہنے
بیش قیمتی جواہرات سجائے کوئی شبنم کا دوپٹہ اوڑھے کوئی سر پر کلغی دار بانکی پگڑی رکھے
باغِ ارم کی تیتریاں معلوم ہو رہی ہیں۔ بہت سی انتظار میں بے قرار کھڑی ہیں جو تھک
چکی ہیں وہ بیٹھ گئی ہیں۔ کوئی ٹولی آپس میں ہاتھ پکڑے ٹھمک ٹھمک چلی آ رہی ہے۔
کوئی بے فکری سے کسی ہجوم میں بیٹھی قہقہے اڑا رہی ہے کہیں سہیلیاں مکریاں کہی

جارہی ہیں۔ کوئی بیٹھی اڑتی اڑتی خبریں اور لطیفے سنا رہی ہے کہیں سوانگ بھر اجا رہا ہے۔
دیکھنے والیوں کا ٹھٹ لگ رہا ہے کسی جگہ ناچ رنگ کی محفل برپا ہے، ڈھولک
ستارہ، طنبورہ اور طبلہ گھڑک رہا ہے، کسی جگہ شام کی رتیں اور رسمیں ادا ہو رہی ہیں
نیاز دی جا رہی ہے۔ حصے تقسیم کئے جا رہے ہیں آڑ لیجا! کا غل غپاڑہ مچ رہا ہے حبشنیاں
ترکنیاں اور قلماقنیں اپنے اپنے شوخ رنگ لباسوں کی وجہ امتیاز کی جا سکتی ہیں۔
کنیزیں تتر بتر آجا رہی ہیں خواجہ سرا ادھر سے ادھر بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں کوئی اسے
بلا رہا ہے کوئی اسے پکار رہا ہے۔ کوئی خوان اٹھائے لئے جا رہا ہے کوئی پان
الائچی بانٹ رہا ہے کوئی مہمان بیگموں کو شربت پلا رہا ہے اندر کچھ اور بیچے
والیوں نے غل مچا رکھا ہے۔ باہر شادیانوں نے تمام قلعہ سر پر اٹھا رکھا ہے۔ لیکن اس
ہنگامے کی آوازیں اندر شیش محل کے ایوان خاص تک نہیں پہنچتیں۔ وہاں اگر کوئی آواز
ہے تو سرنائیوں اور شہنائیوں کی جو اتنے محتاط فاصلے پر بجائی جا رہی ہیں کہ ان کے نشاط
بخش نغمے خوش آئند لوری کی طرح ایوان میں پہنچ رہے ہیں۔ جگہ جگہ نئی وضع کے یک شاخوں
دو شاخوں اور فانوسوں میں لمبی لمبی کوئی سیدھی کوئی بل کھاتی ہوئی سفید اور
رنگین کافوری شمعیں روشن ہیں۔ زریں و سیمیں مجمروں میں سے عود و عنبر اور روح افزا
کی نکہت بیز بادل اٹھ رہے ہیں اور آئینوں میں روشنیاں منعکس ہونے سے جو
چکا چوند پیدا ہو رہی ہے۔ اس میں مل جل کر تمام ایوان پر عالم خواب کی سی کیفیت
طاری کر رہے ہیں۔ یہاں اکبر ایوان کے پرے کونے میں ایک مرصع تخت پر جو
تین سیڑھیاں اونچا ہے زریں تکیوں کے سہارے نیم دراز ہے۔ ماتھے پر ملک
ہے لباس سادہ مگر جواہرات انمول۔ دوسری طرف سلیم پر تکلف لباس پہنے سج دھج
نکالے گلزار شباب کا نو شگفتہ پھول ایک نسبتاً نیچے تخت پر دو زانوں بیٹھا ہے
اکبر کے دائیں ہاتھ، ایک تخت پر رانی بیٹھی ہے۔ بائیں ایک لمبے سے تخت

پر رکھے ہیں۔ دو شالے، دوپٹے اور دوسرے بیش قیمت تحفے سے چنے ہوئے ہیں۔
ادھر ادھر بیگمیں اور شہزادیاں چوکیوں اور فرش پر مودب بیٹھی ہیں ان کے
پیچھے ترکنیاں اور قلماقائیاں سونے اور روپے کے عصا ہاتھ میں لے کر بت
بنی کھڑی ہیں۔

یہاں اکبر اعظم سلیم سے شطرنج کھیل رہا ہے۔ ایوان کے فرش پر بساط بچھی
ہوئی ہے جس پر نوجوان اور حسین کنیزیں مہرے بن کر کھڑی ہیں۔ اور اپنے سر کے لباس
سے شناخت کی جا سکتی ہیں۔ جو کنیز جس کا مہرہ بنی ہوئی ہے۔ اس پر نظر جمائے
اس کا ذہن اس کھیل سے کہیں زیادہ اہم کھیل ہے کی چالیں سوچنے میں منہمک ہے۔

اکبر۔ تم نے ہمارا فرزیں لے لیا۔ فرزیں لے لیا ہمارا۔ بہت خوب! پھر اب تمہیں
مات بھی لینی ہوگی۔ شناشیخو! اب تمہیں۔ مات بھی لینی ہوگی۔ ہے۔

پیدل کی گشت۔!

(جو کنیزیں پیدل بنی ہوئی ہیں۔ اشارہ پاتے ہی چھن چھن کرتی چلتی ہیں اور
ان کے خانے میں جا کھڑی ہوتی ہے۔

سلیم (مسکرا کر) ظل الٰہی اب بازی ہو گئی آپ کو۔ میں شاہ کو آگے ہی بڑھ کر
بچا (کنیز شاہ بنی ہوئی ہے حکم کی تعمیل میں حرکت کرتی ہے)

اکبر۔ ہوں! تو اب تم ہمارے چنگل سے نہیں نکل سکتے۔ اسپ شاہ کے سامنے
(اسپ اس خانے میں جاتا ہے جس طرف اشارہ کیا گیا ہے)

دیکھا شیخو! پیدل پر زد پہنچی اور تمہارے وزیر کو بھی ہلنا پڑا۔
سلیم۔ ظل الٰہی میرا مات کا نقشہ اور صاف ہو گیا۔ فرزیں پیچھے تیرا خانہ
فرزیں پچھلے تیسرے خانہ میں جاتا ہے)

اکبر (مسکراتے ہوئے) ہم سمجھتے ہیں تم کس فکر میں ہو۔ فیل کنارے کا تیسرا خانہ۔

سلیم۔ رخ پیر! یہ رخ مرنے کو نہ بیٹھے گا۔ یہ مات دیئے جا رہا ہے۔ کونے کا خانہ۔
(سلیم یہ سمجھ کر کہ اب اکبر کے لیئے مات بچانا ناممکن ہے۔ اٹھ کھڑا ہوتا ہے فیل الہٰی ہوگئی۔

اکبر۔ شیخو جب خود چال چلو تو اس کے ساتھ دوسرے کی چال کا بھی خیال رکھا کرو۔ دیکھو فیل کشت! مات! (سلیم اس غیر متوقع چال پر حیرت کے عالم میں تخت پر بیٹھ جاتا ہے) اب اچنبھے میں نہ پڑو۔ افسوس نہ کرو۔ ہم خوش ہیں کہ تمہارا کھیل ہماری توقع سے بہت بہتر تھا۔ (سلیم جھک کر تسلیم بجا لاتا ہے)

(کافور داخل ہوتا ہے)

کافور۔ مہابلی، آتش بازی میں شتابہ دکھانے کو صرف اشارہ کا انتظار ہے۔

اکبر۔ شیخو آؤ۔ ہمارے ساتھ آتش بازی کا نظارہ کرو۔

اکبر اٹھ کھڑا ہوتا ہے ساتھ ہی تمام بیگمات اور شہزادیاں مؤدب کھڑی ہو جاتی ہیں۔ باہر بلند آواز سے تاشے بجنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اکبر تخت پر سے اترتا ہے۔ عصا آگے بڑھ کر پردے کھول دیتے ہیں آگے آگے عصا بردار ان کے پیچھے اکبر اور بعد میں رانی، سلیم اور دوسری بیگمات اور شہزادیاں باہر جاتی ہیں، سب سے آخر میں وہ کنیزیں جاتی ہیں جو مہرے بنی ہوئی تھیں۔ اندر ایوان میں دلآرام تنہا تخت کی سیڑھیوں پر کھڑی رہ جاتی ہے۔ باہر سے شور و غل اور نعروں کی آوازیں آتی ہیں۔ کچھ دیر خاموش رہتی ہے۔ پھر چونک کر چار مرتبہ تالی بجاتی ہے۔ چار خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں۔)

دلآرام۔ بازی ہو چکی۔ بساط بڑھاؤ۔

(خواجہ سرا بساط کو تکلف سے تہ کرتے اور لے جاتے ہیں ان کے رخصت ہو جانے کے بعد دلآرام آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس جگہ آ کھڑی

ہوتی ہے جہاں بساط بچھی ہوئی تھی۔

اور اب نیا کھیل اور نئے کھلاڑی۔ نئے مہرے اور نئی بازی!

(باہر آتشبازی چلنی شروع ہو گئی ہے اور شور و غل بڑھ رہا ہے)

مہرے فرش پر اور کھلاڑی عرش پر! (چپ ہو جاتی ہے اور سامنے تکنے لگتی ہے۔ کھلے دروازے میں سے آتش بازی کی سبز روشنی آ کر اس کے چہرے پر کانپ رہی ہے۔ یا کون جانے مہرے عرش پر اور کھلاڑی فرش پر انھی حرکات منہمک کر لیتے ہیں۔ (یکلخت لال، ہری، پیلی روشنیاں اس پر پڑتی ہیں۔ رنگا رنگ کی آتش بازی چھوٹنے پر باہر داد و تحسین کا شور زیادہ ہو رہا ہے۔ لیکن بازی! بازی! آج ہی نہیں، ابھی اور پھر جو ہو، سو ہو!

(چہرہ اونچا کر کے آنکھیں بند کر لیتی ہے)

(باہر تاشے اور ڈھول اور جھانجیں بج رہی ہیں)

(عنبر اور مروارید داخل ہوتی ہیں)

عنبر۔ دلآرام۔

مروارید۔ یہاں کیا کر رہی ہو۔ چلو آتش بازی کا تماشا دیکھو!

دلآرام۔ (سکون سے) اس سے زیادہ آتش بازی کچھ دیر بعد یہاں ہوگی۔

عنبر۔ (حیران ہو کر) آتش بازی۔ یہاں ایوانِ خاص میں؟

مروارید۔ وہ کیسی؟

دلآرام۔ وقت مشعل لئے ہوئے آ رہا ہے۔ کچھ دیر بعد خود دیکھ لوگی۔

عنبر۔ کچھ بتاؤ تو سہی۔

دلآرام۔ خاموش رہو اور انتظار کرو۔

مروارید۔ آخر کیا ہے؟

دلآرام۔ (دروازوں کی طرف دیکھ کر چپ، پہلے ادھر آؤ۔ منہ سے کچھ نہ بولو۔ جو کچھ میں کہتی ہوں کرتی جاؤ۔ (سلیم کا تخت اٹھوا کر دوسری طرف رکھواتی ہے۔ دروازے پر ایک نظر ڈال کر مرواریدکو تخت پر بٹھا دیتی ہے) عنبر تم یہاں کھڑی ہو۔ اسے ایوان کے بیچوں بیچ کھڑا کر دیتی ہے اور خود جاکر اکبر کے تخت کی سیڑیوں پر کھڑی ہو جاتی ہے اور سر آگے پیچھے کر کر آئینوں کو دیکھتی ہے اور بے اطمینانی سے سر ہلاتی ہے سیڑھیوں پر سے اتر تی ہے) ٹھیک ہے عنبر یقینی نہیں۔ عنبر یہاں آنا (پچھلی دیوار کے ساتھ ایک بڑا جلی آئینہ کھڑا ہے عنبر کی مدد سے اسے سرکاتی ہے) مروارید اس تخت کو ادھر سرکاؤ۔ عنبر تم پھر اپنی پہلی جگہ کھڑی ہو جاؤ۔ (پھر تخت کی سیڑھیوں پر چڑھتی اور غور سے کبھی آئینے اور کبھی سلیم کے تخت کو دیکھتی ہے چہرے پر اطمینان کے آثار نمودار ہوتے ہیں) بہت خوب! بہت خوب آجاؤ (تینوں پھر ایوان کے درمیان میں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ دلآرام مسرور نظر آتی ہے عنبر اور مروارید حیران ہیں۔)

(آتش بازی کی روشنیاں تمام ایوان میں ناچ رہی ہیں)

عنبر۔ یہ بات کیا ہوئی۔ ہماری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آیا۔

دلآرام۔ یہاں کچھ بھی دیکھو۔ اور سمجھو سب کچھ فضا میں ہے اور تاروں میں ہے۔ لیکن اتر رہا ہے نیچے آ رہا ہے اور میں دیکھ رہی ہوں صاف صاف دیکھ رہی ہوں اترے گا اور یہیں ٹھیک اسی جگہ اور آج ہی رات میں، اور پھر تم کو ہی نہیں۔ ہر ایک کو نظر آئے گا۔

مروارید۔ یہ تم کیسی پاگلوں کی سی باتیں کرنے لگتی ہو کبھی کبھی۔

دلآرام۔ لکھوت۔ عنبر، مروارید سنو! میرے حجرے میں جاؤ یہ رہی کنجی

(چابی مروارید کو دیتی ہے) وہاں طاق میں ایک عرق کا شیشہ رکھا ہے جا کر لے آؤ۔

(عنبر - (دلآرام کا منہ تکتے ہوئے)

عنبر، مروارید گومگو کے عالم میں دلآرام کا منہ تک رہی ہیں۔

(باہر سنو، باجوں کے غل میں گولے کے بعد تماشائیوں کا نعرۂ تحسین سنائی دیتا ہے۔ (سلیم جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا داخل ہوتا ہے)

سلیم - دلآرام!

دلآرام - صاحبِ عالم -

سلیم - تم مصروف ہو؟

دلآرام - کوئی مصروفیت بھی صاحبِ عالم کی خدمت سے زیادہ اہم نہیں۔

عنبر، مروارید سے جاؤ جو کچھ میں نے منگایا بہت احتیاط سے لے کر آؤ۔

(عنبر اور مروارید چلی جاتی ہیں -)

(سلیم سے) میں تعمیلِ ارشاد کو حاضر ہوں -

سلیم (شرماکر) کچھ نہیں میں انارکلی کو پوچھتا تھا -

دلآرام - رقص و سرور کے لئے آیا چاہتی ہے -

سلیم - (کسی قدر تامل سے) اور رقص و سرور کے بعد؟

دلآرام - جو آپ کا فرمان ہو -

سلیم - (ذرا دیر دلآرام کو دیکھ کر جو تسلیم و رضا کی تصویر نظر آرہی ہے -)

دلآرام - میں نہیں جانتا - تمہارے احسانوں کا شکریہ کیوں کر ادا کروں۔ انعام تو تم قبول نہیں کرتیں - شکریے کے موزوں الفاظ مجھے ملتے نہیں مجھے گمان نہ تھا کہ تم جس سے مجھے طرح طرح کے اندیشے تھے ایک روز میرے اندر

انارکلی کے درمیان واسطہ بن جاؤ گی خود میری اور اس کی ملاقاتوں کے موقعے نکالو گی۔ حرم سرا میں میری سب سے بڑی رازداری ہوگی۔

دلآرام۔ صاحبِ عالم مجھ سے کہتے ہیں کہ ان کے پاس میری ایک بہت بڑی حماقت کا راز ہے۔

سلیم۔ تم کیوں اپنے احسانوں کو معاوضہ کا رنگ دیتی ہو۔

دلآرام۔ صاحبِ عالم کی خوشنودی میرا ایمان ہے۔

سلیم۔ لیکن دلآرام اب تک مجھے حجاب معلوم ہوتا ہے۔ جب میں تم سے۔

دلآرام۔ مطلب سمجھ چکی ہے) آپ کے کہنے کی کچھ ضرورت سے ظلِ الٰہی کے حضور میں رقص و سرود ہو چکنے کے بعد جب انارکلی فراغت پا جائے گی۔ تو رک جاتی ہے۔

سلیم۔ دلآرام! (کسی قدر حجاب سے) تم کتنی عالی ظرف ہو۔

دلآرام۔ میں صرف کنیز ہوں۔ (سر جھکا لیتی ہے۔ دونوں خاموش ہیں۔

سلیم سہما ہوا ہے۔ باہر شہنائیاں بج رہی ہیں اور غبارے چھوڑے جا رہے ہیں۔ شور و غل کسی قدر کم ہو گیا ہے۔)

سلیم۔ (کچھ دیر بعد) تم نے انارکلی کو آج دیکھا ہے؟

دلآرام۔ اس کا سنگار۔ آج تو یہ شکل ہے سونے میں پیلی موتیوں میں سفید ہو رہی ہے۔

سلیم۔ (اشتیاق سے) کب تک آئے گی۔

دلآرام۔ ظلِ الٰہی کے تشریف لاتے ہی۔ لیکن صاحبِ عالم مجھے اندیشہ ہے آج آپ ظلِ الٰہی کے سامنے بھی ضبط سے کام نہ لے سکیں گی۔

سلیم۔ تم مجھے ابھی سے بے قابو کئے دیتے رہی ہو۔

دلآرام۔ لیکن آپ بے فکر رہیں میں خود مناسب انتظام کر لوں گی۔

(ثریا داخل ہوتی ہے)

ثریا۔ صاحبِ عالم تسلیم!

(سلیم مسکرا کر جواب میں سر ہلاتا ہے ثریا دلآرام کو دیکھ کر کبیدہ سی ہوجاتی ہے۔)

دلآرام۔ محض بات کرنے کی خاطر)

ثریا۔ ابھی آتی ہیں۔

دلآرام۔ ثریا کے آجانے سے بےچین سی ہے۔ ذرا تو قف کے بعد) میں جاؤں اسے جلد پہنچنے کی تاکید کروں (جلدی سے چلی جاتی ہے)

ثریا۔ (دلآرام کے اوجھل ہوتے ہی) صاحبِ عالم۔ دلآرام آپ سے کیا کہہ رہی تھی۔

سلیم۔ (مسکرا کر) کچھ نہیں۔

ثریا۔ (فکرمندی سے) صاحبِ عالم کو اس پر بہت زیادہ بھروسہ ہوگیا ہے۔

سلیم۔ تم بہت بدگمان ہو ثریا۔

ثریا۔ میں اس سے بہت زیادہ واقف ہوں۔

سلیم۔ اسی لئے تم اس کی قدر نہیں کر سکتیں۔

ثریا۔ اور کیا۔ اسی لئے وہ مجھ سے کتراتی ہے۔

سلیم۔ ایسی حالت میں وہ اس کے سوا کرے بھی کیا۔

(زعفران اور ستارہ اندر آکر کورنش بجاتی ہیں۔ دونوں نے اس تکلف سے سنگار کر رکھا ہے کہ شرمائی جاتی ہیں)

آخاہ۔ آج تو بڑے ٹھاٹ ہیں۔ زعفران؟

ستارہ۔ زعفرانی جوڑا پہن کر نکلی ہیں کہ کسی کو نام بھول جائے تو یاد پر زور نہ دینا پڑے۔

زعفران (شوخی سے) خیر مانگے تانگے کا ڈوپٹہ تو نہیں اوڑھ رکھا۔

سلیم۔ ستارہ، گھر کا بھید ی لنکا ڈھانے لگا۔

ستارہ۔ اے حضور کہتی ہے، دوپٹہ دیکھ دیکھ کر چلی جا رہی ہے۔

زعفران۔ لو اب میری زبان نہ کھلواؤ (ستارہ کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا منہ ثریا کی طرف کر دیتی ہے)

ثریا۔ (اپنے خیال میں تھی، یکلخت دیکھتی ہے کہ سب اس کی طرف متوجہ ہیں۔ (جلدی سے) نہ بوا مجھے بیچ میں نہ گھسیٹو۔

ستارہ۔ (زعفران) بس؟

زعفران۔ بس کیا۔ تو انہوں نے کونسا انکار کر دیا ہے۔

سلیم۔ ثریا معمہ تو تمہیں ہی حل کرنا ہوگا۔ بتانا پڑے گا۔ یہ دوپٹہ کس کا ہے۔

زعفران۔ (ثریا کو آنکھ مار کر) ہاں! ثریا بی

ثریا۔ (شوخی سے) یہ اتنا شرماتی ہیں تو پھر انہی کا ہی۔

زعفران۔ (چٹکیاں بجا بجا کر) آہا ہا ہا۔ بھانڈا پھوٹ گیا۔

ستارہ۔ (ثریا سے) اچھا ٹھہر تو، تو قطامہ (ثریا کی طرف بڑھتی ہے)

(ثریا ہنستی ہوئی بھاگ جاتی ہے ستارہ منہ پھیلا کر کھڑی ہو جاتی ہے)

سلیم۔ چلو! ہم کسی سے کہتے تھوڑی ہیں غصہ تھوک دو۔

زعفران۔ میچے جھک کر ستارہ سے آنکھیں چار کرتی ہے۔

(کافور داخل ہوتا ہے)

کافور۔ صاحب عالم! آتش بازی ہو چکی ظل الٰہی آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔

سلیم۔ میں حاضر ہوا۔

(جلدی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کافور چلنا چاہتا ہے)

زعفران۔ بی کافور ذرا بات سنو!

ستارہ (زعفران کی نظروں میں شوخی دیکھ کر مدعا سمجھ جاتی ہے) بی کافور۔ آج تو بڑا جوبن نکالا ہے۔ (کافور مسکرا کر تھم جاتا ہے)

زعفران۔ پھر کیوں نہ ہو کپڑا لتا آخر ہوتا کس دن کے لئے ہے کیوں بی کافور؟

کافور۔ بیٹی میرا اپنا جوڑا تو موئی مبارک قدم نے سجا کر ہی نہ دیا مجبوری کو پرانا جوڑا پہننا پڑا۔

ستارہ۔ کیوں نہیں! دارم چیرا ناہاشم!

زعفران۔ مگر بی کافور یہ گنگا جل پر گوش پیچ کی گوٹ ٹوٹاٹ کی انگیا مونجھ کا لچھہ ہو گئی۔ تم اپنا جوڑا مبارک قدم سے لے کر مجھے جو دے دو۔ پہننے کے لئے راتوں رات سی دوں گی۔

کافور۔ اے بیٹی تم جگ جگ جیو جو مجھ بڑھیا کا خیال رکھتی ہو۔

زعفران۔ پر ایک شرط ہے (کافور اشتیاق سے زعفران کا منہ تکتا ہے) رات کو چہرے پر تھوڑی سی قلعی کر دار کھنا (زعفران! اور ستارہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑتی ہیں)

کافور۔ نامراد، چڑیل، کہیں کی۔

(زعفران ستارہ کا منہ چڑا کر بھاگ جاتی ہیں)

ٹھہر تو، تو سر مونڈی۔ ناک کاٹی۔

(دلآرام جلد جلد قدم اٹھاتی ہوئی آتی ہے۔)

کافور اسے دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ اور لجاجت سے مسکرا کر رخصت ہو جانا چاہتا ہے)

دلآرام۔ بی کافور تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

کافور۔ کچھ نہیں بیٹی! سجاوٹ دیکھنے کو کھڑی ہو گئی تھی۔ واہ۔ واہ! کیسے سلیقے

سے آرائش کی ہے یہ بات بھلا کسی اور میں کہاں سے آئی۔

دلآرام۔ خاموش! ظلِ الٰہی!

(کافور گھبرا کر رخصت ہو جاتا ہے۔ دلآرام سارے ایوان پر ایک نظر ڈال کر اپنا اطمینان کرتی ہے، پھر ظلِ الٰہی کے استقبال کو مڑنا چاہتی ہے کہ عنبر اور مروارید داخل ہوتی ہیں)

عنبر۔ یہ رہا عرق۔

دلآرام۔ ساتھ کے حجرے میں چھپا کر رکھ دو۔ اور میرے اشارے کی منتظر رہو۔ (عنبر اور مروارید جلدی سے دوسری طرف جاتی ہیں دلآرام دروازے کی طرف بڑھتی ہے نقیبوں کی آوازیں بلند ہو جاتی ہیں۔ عصا بردار داخل ہو کر اپنے مقام پر مؤدب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے دو دروازے کے داہنی بائیں ٹھہرتے ہیں۔ اکبر، رانی، سلیم، شہزادیاں اور بیگمات داخل ہوتی ہیں۔ سب کے داخل ہو چکنے کے بعد ایوان کے پردے کھینچ دیئے جاتے ہیں۔ اکبر تخت کی سیڑھیوں پر چڑھ کر ایک لمحے کو ایوان پر نظر ڈالتا ہے اور پھر بیٹھ جاتا ہے۔ باجے بلند شور سے آخری مرتبہ بج کر بند ہو جاتے ہیں اور دور فاصلے کی شہنائیاں اور سرنائیاں بجنی شروع ہو جاتی ہیں۔ کنیزیں دست بستہ کھڑی رہتی ہیں ایک خواجہ سرا تحائف کے تخت کے پاس جا کھڑا ہوتا ہے۔

سلیم رانی کے تخت کے قریب ایک چوکی پر بیٹھنا چاہتا ہے)

دلآرام۔ (آہستہ سے) صاحبِ عالم!

سلیم۔ (دلآرام کے قریب آجاتا ہے اور سرگوشی میں باتیں کرتا ہے)

دلآرام۔ (تخت کی طرف اشارہ کر کے) یہاں ظلِ الٰہی سے اوٹ ہے۔

سلیم۔ پھر؟

دلآرام۔ یہاں آنکھیں اور اشارے آزادی سے کام کر سکتے ہیں۔

سلیم مسکرا کر اس تخت پر بیٹھ جاتا ہے جو دلآرام نے اس کیلئے مخصوص کر رکھا ہے۔
انارکلی ابھی تک نہیں آئی؟
دلآرام۔ آیا ہی چاہتی ہے۔
سلیم۔ کہاں بیٹھے گی؟
دلآرام۔ آنکھ سے اشارہ کر کے۔ اس طرف۔
سلیم۔ عین مقابل؟
دلآرام۔ صاحبِ عالم کی خوشنودی میرا ایمان ہے۔
اکبر۔ (اس دوران میں رانی سے گفتگو کر رہا تھا، بات ختم کرنے کے بعد ادھر ادھر دیکھتا ہے کہ سلیم کہاں ہے) شیخو!
سلیم۔ (کھڑے ہو کر) ظلِ الٰہی!
اکبر۔ اتنی دور کیوں؟
سلیم۔ ظلِ الٰہی وہ "
دلآرام۔ صاحبِ عالم علیل تھے اس لئے کنیز نے علیحدہ جگہ رکھی کہ جب چاہیں باہر آ جا سکیں۔
ہاں اب ارتھی (سلیم آنکھوں میں دلآرام کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ جاتا ہے۔
رقاصہ لڑکی داخل ہوتی ہے اور رقص شروع کرتی ہے، رقص میں رادھا کے جذبات فراق اور شیام کے انتظار میں اس کی بیتابیوں کا نہایت مؤثر اظہار ہے۔ رقص کے دوران میں عنبر اور مروارید واپس آتی ہیں۔ دلآرام سرگوشیوں میں ان سے گفتگو کرتی ہے۔

رقاصہ جب ناچتی ناچتی اکبر کے پاس پہنچتی ہے تو وہ اس خواجہ سرا کو اشارہ کرتا ہے، جو تھال لئے قریب کھڑا ہے وہ تخت پر ایک دو شالہ لے کر اکبر کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اکبر دو شالہ لے کر رقاصہ کی طرف پھینکتا ہے۔

رقاصہ اسے اٹھاکر دوزانو ہو جاتی ہے۔ اور سر جھکا کر دائیں ہاتھ کی پشت زمین سے لگاتی اور پھر آہستہ آہستہ پیشانی اٹھاتی ہے۔

دلآرام۔ (اس دوران میں عنبر سے) تم اور کنیزوں کو ساتھ لے کر صاحب عالم کی نشست کو ظلِ الٰہی سے اوٹ میں کر لو۔ اور میرے اشارے کی منتظر رہو۔

(عنبر دلآرام کے کہنے کی تعمیل کرتی ہے)

(انارکلی دلآرام کے بیان کے مطابق سر سے پاؤں تک بناؤ سنگار کئے شعلہ جوالہ معلوم ہو رہی تھی۔ دلآرام اسے دیکھتے ہی دوسری طرف اس کے قریب جاتی ہے)

اکبر۔ ہاں تم انارکلی! ماہ کامل کو ننھے ستاروں پر فتح حاصل کرنے کے لئے ہالے کی ضرورت نہیں۔ تو پھر اے نازنین یہ زرق برق پوشاک کس لئے۔

(انارکلی شرما جاتی ہے۔ اور اٹھ کر مجرا بجا لاتی ہے۔)

زعفران۔ (آہستہ سے، دلآرام) اری کمبخت اب کہہ بھی۔

دلآرام۔ کیا بکتی ہے چڑیل اب انارکلی گائے گی۔

ستارہ۔ انارکلی کے بعد ہمارا رقص کیا خاک جمے گا۔

دلآرام۔ پھر جانے دو۔

زعفران۔ واہ بڑی آئیں منتظم بن کر کہیں کی۔ ابھی کہتی ہوں۔

اکبر۔ کیا ہے زعفران؟

زعفران۔ ظلِ الٰہی! ایک رقص کی لونڈیاں بھی امیدوار ہیں۔

اکبر۔ کیسا رقص؟

زعفران۔ بہن انارکلی نے اس کا نام رقصِ باگیاں رکھا ہے۔

اکبر۔ (مسکرا کر) رقص باگیاں۔ ؟ تم نے انارکلی؟

(انار کلی شرماتی ہوئی کھڑی ہو کر مسکراپڑی اور مجرا بجالاتی ہے) تم کو اجازت ہے زعفران۔

(زعفران اور ستارہ رقص کی تیاری کرتی ہیں۔ سلیم ثریا کو اشارہ سے بلاتا ہے۔ ثریا اِدھر اُدھر دیکھتی ہے۔ اور خواجہ سرا خاصدان لئے کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھوں سے لے لیتی ہے۔ اور پان پیش کرنے کے بہانے سلیم کے پاس جاتی ہے۔ سلیم سرگوشیوں میں گفتگو کرتا ہے۔)

سلیم۔ انارکلی مجھ سے ناراض ہیں؟ (خاصدان میں سے پان کا بیڑا لیتا ہے)

ثریا۔ وہ کیوں ناراض ہوتیں؟

سلیم۔ آنکھ اٹھا کر بھی ادھر نہیں دیکھا۔

ثریا۔ دیکھتے نہیں ظل الٰہی موجود ہیں۔

سلیم۔ مگر یہ بھی دیکھو میں کس جگہ بیٹھا ہوں۔

ثریا۔ وہ تو ٹھیک سامنے ہیں۔

سلیم۔ جاؤ۔ میرا سلام کہدو۔

ثریا واپس جا کر خاصدان خواجہ سرا کو دیتی ہے۔ اور انارکلی سے کان میں بات کرتی ہے۔ انارکلی سلیم کی طرف دیکھ کر نظریں جھکا لیتی ہے۔ زعفران اور ستارہ رقص شروع کرتی ہیں۔ لڑاکا بہنوں کے تعلقات کا اظہار ہے۔ جن کی کبھی بنتی اور بگڑ جاتی ہے۔ بنتی تھوڑی اور بگڑتی زیادہ ہے۔ ذرا کمر میں ہاتھ ڈالا۔ گلے ملیں۔ رخسار سے رخسار ملایا اور بگاڑ کی کوئی وجہ پیدا ہو گئی۔ ایک نے دوسری کا زیور دیکھ کر منہ بسورا یا۔ اس نے جواب میں منہ چڑایا۔ بس حریفوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ اس نے اس کے چٹکی بھری۔ اس نے اس کی چٹیا کھینچی۔ خوب لڑائی

ہوئی۔ ایک ہار گئی۔ دوسری جیت کر ہنس پڑی۔ ذرا دیر میں ہنسنے والی کو رحم آیا۔ روتی بہن کو جا منایا۔ آنسو پونچھے گلے لگایا۔ صلح صفائی ہو گئی۔ اب رونے والی نے آرسی دیکھی۔ ناز سے بھویں چڑھائیں۔ پھر بہن کے سامنے آرسی یوں کر دی گویا کہہ رہی ہے اپنی صورت تو دیکھو۔ اس سے دوسری جل گئی۔ پھر حاسد ان کی ٹھن گئی۔ اس نے چپت جڑی۔ اس نے کاٹ کھایا۔ خوب جوتی پیزار ہوئی۔ غرض بار بار یوں ہی بنتی بگڑتی رہی۔ یہاں تک کہ دونوں بیدم ہو کر گر پڑیں۔

(تمام محفل نے ہنس ہنس کر اس رقص کی داد دی۔)

اکبر۔ یہ رقص بھی انعام کا مستحق ہے۔

(زعفران اور ستارہ تخت کے قریب جاتی ہیں۔ اکبر انہیں بیش قیمت عمدہ دو شالے انعام دیتا ہے۔ دونوں دو زانوں ہو کر شکریہ ادا کرتی ہیں۔)

دلآرام (سلیم سے) اس رقص کا نام بھی انعام کا مستحق تھا صاحب عالم!

سلیم۔ (فخر سے ہو کر) ظل الٰہی اس رقص کا نام بھی انعام کا مستحق ہے۔

اکبر۔ تم نے درست کہا شیخو! انارکلی یہ داد تمہارے لئے ہے۔

(انارکلی اکبر کے قریب جاتی ہے۔ اکبر اسے بھاری کام کا دوپٹہ انعام میں دیتا ہے۔ انارکلی دو زانو ہو کر شکریہ ادا کرتی ہے۔)

اور اے فردوس کی بلبل! تیرا نغمہ ہمیں کب تک منتظر رکھے گا۔

(انارکلی الٹے پاؤں واپس آجاتی ہے اور گانے کی تیاری شروع کرتی ہے۔

دلآرام (مردار پہ سے آہستہ آہستہ آواز میں) جا مر وادیلہ وہ غرق سے آئے۔

انارکلی گیت شروع کرنے سے پہلے پھر آداب بجا لاتی ہے

کا ہنر اور بازی

شبھ دن شبھ گھڑی لگن مہورت
نو کھنڈ بارہ منڈ گاوت گیت
اٹل کرسی نی بیٹھے چھتر دھری
چاروں جگ جیو بھالوں گے شدن

بیٹھے تخت دلی نربت ارے
اندر جیون بہ کھاموتی دان کرے
ہیراموتی نگا چونی پنا موتی لعل رے
شاہوں کی پت شاہ اکبر رہے

(گیت ختم کرکے پھر آداب بجا لاتی ہے)

اکبر۔ بے مثال۔ بے نظیر۔ گیت کے لفظوں کے لئے تیری آواز ایک شراب ہے۔ مگر اسے جنت ارضی کی حور اب کوئی رقص۔ ہم اس شعلے کو بے قرار دیکھنا چاہتے ہیں۔

دلآرام۔ آہستہ سے مرواریدہ سے جو انارکلی کے گیت کے دوران عرق کا شیشہ لے کر واپس آگئی ہے۔ "ادھر انارکلی کی طرف جاؤ اور رقص کے بعد جب وہ تھک کر پانی مانگے تو اسے پینے کے لئے یہ دو۔"

انارکلی رقص کی تیاری کر رہی ہے کہ مروارید عرق کا شیشہ رومال میں چھپائے اس کی ٹولی میں جا کر کھڑی ہوتی ہے۔

سلیم۔ (دلآرام کو اشارے سے قریب بلا کر) دلآرام فاصلہ بہت ہے۔

دلآرام۔ اس وقت غنیمت سمجھیے۔

سلیم۔ لیکن رقص و سرور کے بعد تو۔

دلآرام۔ مجھے خیال ہے۔

سلیم۔ آہ۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ (آہ بھر کر) بند آیا۔

(انارکلی ناچتی ہے) جنگل کی مورنی کا رقص جسے شکاریوں نے گھیر لیا ہے۔ اور تیر کا شور، افراتفری میں اس سے بچھڑ گیا ہے۔ جان کے خوف سے بھاگنا چاہتی ہے مگر نر کی محبت کھینچ لاتی ہے۔ سہمی ہوئی اپنے مور کو ڈھونڈ رہی ہے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گردن بڑھا بڑھا کر ہر طرف تکتی ہے۔ مگر

کھوج نہیں پاتی۔ پکارنا چاہتی ہے مگر خوف کے مارے آواز حلق سے باہر نہیں آتی
کھڑی ہانپ رہی ہے اور کانپ رہی ہے۔ شکاری دم بدم قریب آ رہے ہیں۔ ہر لمحہ
حیات تنگ ہو رہا ہے۔ وحشت بڑھتی جا رہی ہے۔ بے قابو ہو کر دوڑتی اور بیتاب
ہو کر لوٹتی ہے۔ کشمکش نے ایک جنون کی صورت اختیار کر لی ہے۔
سینہ پھیلا کر شکاریوں کی طرف بڑھتی ہے۔ اور محبت کی ماری ہوئی
ڈھیر ہو جاتی ہے۔

سب مسحور ہو کر یہ رقص دیکھ رہے تھے۔ (انارکلی کے گرتے ہی کئی
شہزادیاں اپنی جگہ سے اچھل پڑیں۔ سلیم گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن ذرا دیر بعد
جب انارکلی سر اٹھا کر کورنش بجا لاتی ہے۔ تو اس رقص کے سحر نے داد و
تحسین کی صورت اختیار کر لی۔

اکبر۔ یہ سحر تو نے کہاں سے سیکھا۔ یہ اس بلیغ حقیقت کا انکشاف تھا۔
کہ فن کمال تھا۔ تیری بے قراری ساق بلوریاں جب زمین سے مس کرتی تھی تو فاتح
ہند کا قوی دل ایک ستارے کی طرح کھنچا اٹھتا تھا۔ ہاں اور اس کمال پہ ہماری
عنایت خسروانہ تیرے دل کو ساکت کیے بغیر نہ رہے گی۔

(ہیرے کی ایک بیش قیمت مالا لے کر ہاتھ بڑھاتا ہے۔ انارکلی قریب
جاتی ہے۔ اکبر وہ مالا خود اس کے گلے میں ڈال دیتا ہے۔ انارکلی بڑھ کر دامن کو
بوسہ دیتی ہے۔

دلآرام۔ (سرگوشی میں سلیم سے) صاحب عالم کیا آپ اس رقص کی داد
نہ دیں گے۔؟

سلیم۔ (یکلخت کھڑے ہو کر) ظل الٰہی! اجازت ہو تو اس رقص کی داد
میں دینا چاہتا ہوں۔

اکبر ۔ تم کو اجازت ہے شیخو ۔!

(انارکلی سلیم کی طرف آتی ہے ۔ سلیم موتیوں کا ایک پیش قیمت کنٹھا اتار کر اُسے دیتا ہے ۔ انارکلی نظریں نیچی کر لیتی ہے ۔)

سلیم ۔ یہ تمہارے کمال کا انعام نہیں اعتراف ہے ۔

(انارکلی تسلیم بجا لا کر جاتی ہے)

اکبر ۔ اور اب ایک ..... "

سلیم ۔ غزل ظلِ الٰہی !"

(انارکلی تعمیلِ ارشاد کی آمادگی میں سر جھکا دیتی ہے ۔)

اکبر ۔ شیخو تم نے ہمارے منہ کی بات چھین لی ۔

انارکلی ۔ پانی ثریا ۔

مروارید ۔ (فوراً شیشہ میں عرق نکال کر) یہ لو ۔

(انارکلی عرق پی لیتی ہے ۔ دلآرام غور سے اسے تک رہی ہے)

دلآرام ۔ (عنبر سے) وقت آگیا ۔ صاحب عالم اوٹ کے خیال سے بے فکر ہیں مگر ان کا عکس آئینے میں صاف صاف پڑ رہا ہے تم سمجھ گئی ہو ۔

انارکلی ۔ (دوسری طرف مروارید سے) مروارید اس میں شراب کی سی بو تھی ۔ یہ عرق کیسا تھا ۔

مروارید ۔ مفرح ۔

سلیم ۔ (ادھر دلآرام سے) دلآرام غزل کے بعد ہم اٹھ جائیں گے اور اس وقت اگر تم ۔

دلآرام ۔ (انارکلی کو تکتے ہوئے) انارکلی کو باغ میں ۔"

سلیم ۔ آج تو حرم کے سوا ہر جگہ تنہائی ہے ۔

دلآرام ۔ میں خود فکر میں ہوں (دلآرام خود انارکلی کی طرف جاتی ہے)

انارکلی ۔ (ادھر ثریا) میرا سر تپ رہا ہے میری رگوں میں یہ کیا دوڑ رہا ہے ۔

دلآرام ۔ (انارکلی کے قریب پہنچ کر آہستہ سے) صاحب عالم تم سے باغ کی تنہائی میں ملاقات کرنے کو بے تاب ہیں ۔

(انارکلی نشہ کے ہلکے ہلکے اثر میں سلیم کی طرف دیکھ کر مسکرا اٹھتی ہے)

ثریا ۔ آپا اب گا بھی چکو ۔

دلآرام ۔ انارکلی کونسی غزل گاؤ گی؟ (آہستہ سے) اس وقت توفیضی کی غزل ۔ اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ ۔ بہار دے گی ۔ ترک غمزہ زن موجود بھی ہے اور مقابل بھی ہے ۔

اکبر ۔ ہاں انارکلی!

(انارکلی نشہ میں کھوئی کھوئی سی کھڑی ہے ۔ اس کی ماں اور ٹولی کی سب لڑکیاں اس تامل اور بے پروائی پر حیران ہیں ۔)

ثریا ۔ آپا سنا نہیں ظل الٰہی یاد فرما رہے ہیں ۔

دلآرام ۔ (پھر آہستہ سے) اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ ۔

ماں ۔ بیٹی اب غزل شروع کیوں نہیں کرتی ۔ کیا انتظار ہے؟ (توقف کے بعد)

نادرہ ۔ انارکلی (چونک کر آہستہ سے) جی اماں ۔

دلآرام ۔ (پھر آہستہ سے) اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ ۔

ماں انارکلی کا ہاتھ تھام کر اسے درمیان میں لے آتی ہے ۔ چلتے وقت اس سے کہتی ہے "ترک غمزہ زن ہر روز یوں مقابل بیٹھا نہیں ۔

انارکلی (غزل شروع کرتی ہے ۔ گانے کے دوران میں شراب کا نشہ تیز تر ہو جاتا ہے ۔ اس کی توجہ صرف سلیم کی طرف ہے ۔ بہت جلد وہ بھول جاتی ہے ۔

کہ میرے اور سلیم کے سوا کوئی اور بھی محفل میں موجود ہے۔ اکبر آنکھیں بند کئے نیم دراز ہے۔ انارکلی کا رُخ سلیم کی طرف ہے۔ اس لئے اس کا چہرہ اکبر رانی اور بیگموں سے اوجھل ہے۔ لیکن جو شہزادیاں اور کنیزیں اسے دیکھ سکتی ہیں وہ اس کے عزم پر حیران، اور ان کی نظریں بار بار بے اختیار اکبر کی طرف اٹھتی ہیں۔

غزل

اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ
در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستۂ

انارکلی ترک غمزہ زن کا اشارہ واضح طور پر سلیم کی طرف کرتی ہے سلیم اتنے واضح اشارے سے گھبرا جاتا ہے۔)

سلیم۔ (کچھ دیر بے چین رہ کر آخر پیچھے دلآرام کی طرف دیکھتا ہے) دلآرام۔

دلآرام۔ (انارکلی کو تکتے تکتے) صاحب عالم!

سلیم۔ انارکلی یہ کیا کر رہی ہے۔

دلآرام۔ میں خود حیرت میں ہوں۔

انارکلی۔ آرام کردۂ پنہاں خانۂ دلم
حقا دریں گماں کہ بہ محفل نشستۂ

(انارکلی پنہاں خانۂ دلم میں اپنی طرف سے اشارہ کر کے نشستۂ کا مخاطب پھر سلیم کو بناتی ہے سلیم کی گھبراہٹ بڑھ رہی ہے اور تخت پر بار بار پہلو بدل رہا ہے۔

سلیم۔ (نہیں رہا جاتا) دلآرام اسے روکو۔ (پریشان نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ہے کہ کوئی اور تو نہیں دیکھ رہا ہے)

دلآرام۔ (انارکلی کو تکتے تکتے) روک رہی ہوں مگر وہ دیکھتی ہی نہیں۔ اس کی نظریں آپ پر گڑی ہوئی ہیں۔

سلیم آنکھ کے خفیف اشاروں سے ناخوشی ظاہر کر کے اسے روکنا چاہتا ہے۔

انارکلی۔ من خود گرفتہ تبسم امروز نہ تو خنجر بدست و تیغ حمائل نشستہ
(انارکلی من کا اشارہ اپنی طرف اور نشستہ کا پھر سلیم کی طرف کرتی ہے)

دلآرام۔ صاحبِ عالم! آپ خود رو کئے ظلِ الٰہی دیکھ لیں گے۔

سلیم۔ میں اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں روک رہا ہوں لیکن نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتی۔

دلآرام۔ آپ واضح اشارے سے منع کیجئے میں ظلِ الٰہی کے پاس جا کر ان کی توجہ کسی دوسری طرف کئے دیتی ہوں۔ (دلآرام عنبر سے سرگوشی کر کے اکبر کی طرف جاتی ہے۔

انارکلی۔ خوباں شکستہ رنگ خجل ایستادہ اند ہر جا تو آفتاب شمائل نشستہ
(انارکلی بے باک ہوتی جا رہی ہے سلیم سراسیمگی کے عالم میں آنکھوں سے سر کی حرکت سے آنکھ کے اشارے سے اسے روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔)
دلآرام تخت پر اکبر کے پیچھے پہنچ کر اسے انارکلی کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اکبر سنبھل کر بیٹھ جاتا ہے۔ ایک نظر دلآرام کا چہرہ دیکھتا ہے اور سب کچھ سمجھ کر انارکلی کی جرأت پر حیران رہ جاتا ہے۔ دلآرام آئینے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس میں سلیم اشاروں سے انارکلی کو روکتا ہوا نظر آتا ہے۔ سازباز کے انکشاف پر اکبر سے نہیں رہا جاتا غیظ و غضب کے عالم میں کھڑا ہو جاتا ہے۔)

اکبر۔ ہو!
(اکبر کے کھڑے ہوتے ہی ساری محفل کھڑی ہو گئی۔ اور جشن پر سکوتِ مزار چھا گیا ہے۔ انارکلی چونک کر اکبر کو دیکھتی ہے)

کافور!

کافور۔ ظلِ الٰہی۔

اکبر۔ اس بے باک عورت کو لے جاؤ اور زنداں میں ڈال دو۔

کافور اشارہ کرتا ہے خواجہ سرا اٹھ کر انارکلی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

انارکلی۔ مہابلی، مہابلی!! وہ جیسے اضطراراً اکبر کی طرف دوڑتی ہے اور تخت کی سیڑھیوں پر سجدہ کرنے کی کوشش میں بے ہوش ہو جاتی ہے۔

ثریا دوڑ کر بہن سے چمٹ جاتی ہے۔)

انارکلی۔ ماں (سینہ تھامے ہوئے آگے آتی ہے) ظل الٰہی خدا کا واسطہ!

اکبر۔ (دبے ہوئے غصہ سے) رک جاؤ۔

سلیم۔ (اٹھ کر بے تابانہ اکبر کی طرف جاتا ہے)

(رانی سلیم کی طرف بڑھنا چاہتی ہے۔)

(ہاتھ اٹھا کر) رک جاؤ!

رانی اپنی جگہ سہم کر رہ جاتی ہے۔

دلآرام اکبر کے پیچھے کھڑی ساکت نظروں سے جیسے افق کو تک رہی ہے)

باب سوم

منظر اوّل

اگلے روز سہ پہر سلیم کا مشرقی برج والا ایوان -

سلیم کے عشق کا راز طشت از بام ہو چکا ہے. تمام قلعے میں اس کے اور انارکلی کے خفیہ تعلقات پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں - اس نے خود صاف الفاظ میں اعترافِ عشق کر لیا ہے - صبح سے اب تک انارکلی کی رہائی کے لئے اکبر کے حضور میں ہر ممکن ذریعے سے منتیں، خوشامدیں، التجائیں اور سفارشیں بھیج رہا ہے - لیکن بارگاہِ اکبری میں رانی کے سوا کسی کو باریابی حاصل نہ ہو سکی - اور حسبِ امید وہ بھی مایوس چہرہ اور طول نگاہیں لے کر واپس آ گئی - ناامید ہو کر بختیار کو زبردستی داروغۂ زندان کے پاس بھیجا ہے. کہ کسی قیمت یا وعدے پر رات میں انارکلی سے ملاقات کی صورت نکال کر آئے - تفکرات اور اندیشوں کے باعث صبح سے اب تک جنون کی سی کیفیت میں گزرا ہے - نہ منہ ہاتھ دھویا ہے - نہ خط بنوایا ہے - نہ لباس تبدیل ہے - نہ صبح سے اب تک کچھ کھایا ہے - مجبور ہو کر متفکر ماں سمجھانے بجھانے کی غرض سے خود اس کے ایوان میں آئی ہے سلیم اپنی مجبوری اور بے بسی کے حساب سے بپھرا ہوا مسند پر بیٹھا ہے - رانی پاس بیٹھی اسے منا رہی ہے -

رانی - سلیم! اپنے ماں باپ سے خفگی - یوں بھی کہیں ہوتا ہے یہ بھی کہیں اولاد کو -

سلیم - اولاد پر ظلم ماں باپ کو بھی زیب نہیں دیتا -

رانی - اولاد پر ظلم اور پھر تجھ سی اولاد پر - کیا کہتا ہے بیٹے - تو کیا جانے تیری آرزو میں ماں باپ نے زندگی کے کتنے دن آئین بنا کر اڑا ڈالے -

زندگی کی کتنی راتیں آنسو بنا کر بہا ڈالیں۔ تو نہ تھا۔ تو زندگی شمشان کی طرح سنسان اور اُجاڑ تھی۔ یہ محل خزاں کی رات کی طرح ویران کھڑے تھے۔ اس ہندوستان کا بھاگ بگڑا جا رہا تھا۔ اور میرے دولہا پھر تو آیا۔ اور بہار آئی میرے چاند، ہم ہنس پڑیں۔ دنیا ہنس پڑی۔ پھر ماں باپ تجھ پر ظلم کریں گے۔ کس دل سے سلیم!

سلیم۔ آپ کے نزدیک مجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوا۔ میں کچھ اور کہنا نہیں چاہتا (غصے سے منہ موڑ لیتا ہے)

رانی۔ کیا ظلم؟ کہ انارکلی نیند کیوں گئی سلیم کیوں دیوانہ ہوا ہے۔ وہ تیرے قابل ہے۔ اگر تو باپ ہوتا اور بادشاہ اپنی اولاد کے لئے نہ جانے کیا کیا امنگیں تیرے دل میں ہوتیں۔ اور تیرا بیٹا ایک کنیز کی محبت میں گرفتار ہو جاتا۔ تو تو بھی کچھ نہ کرتا اور جسے ظلم کہہ رہا ہے اسے اولاد کا حق ہے۔

سلیم (سامنے تکتے ہوئے) میں اولاد کی خوشی کو اپنی مصلحتوں پر ترجیح دیتا۔

رانی۔ نوجوان ہے ناتجربہ کار ہے۔ باپ بنکر سوچنا نہیں جانتا۔

سلیم۔ باپ بننا۔ انصاف کی آنکھیں بند کر سکتا ہے۔ کھڑا ہو کر منہ دوسری طرف کر لیتا ہے۔

رانی۔ سلیم! ماں باپ کو اپنی زندگی بھر کی آرزوئیں اپنی اولاد کی طرح عزیز رہتی ہیں۔ ان کو نامکمل چھوڑ دینا۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اولاد کو بے آسرا بنا کر چھوڑ کر گزر جاتا۔ پھر تیرا اپنے ماں باپ کی آرزوؤں کو پامال کرنا انہیں کیسے خوش کرے۔ انہیں کیسے معلوم ہو کہ ان کی اولاد ہی آپس میں کشت و خون کر رہی ہے۔

سلیم ۔ (جل کر) اگر ماں باپ اپنی اولاد کے لئے اپنی قربانیوں کو بھولنا نہیں جانتے تو ان کا اپنی اولاد کی آرزوؤں پر اپنی آرزوؤں کا مقدم سمجھنا بے معنی ہے ۔

(غصے سے ٹہل کر کمرے کے پچھلے حصے میں چلا جاتا ہے ۔ اور منہ دوسری طرف کر کے کھڑا ہو جاتا ہے ۔

رانی ۔ آج تو کیا کیا کچھ کہہ رہا ہے بچے ؟ اس ننھے سے دل میں ماں باپ کے خلاف اتنا زہر بھر گیا ؟ صرف اس لئے کہ وہ نہیں چاہتے کہ تو حرم کی ایک کنیز سے شادی کرے ۔ اور دنیا کی نظروں میں اپنے آپ کو سبک بنا لے ؟

سلیم ۔ میں جانتا ہوں ۔ یہ دنیا کس طرح دیکھنے کی عادی ہے ۔ (غصے سے مڑ کر) جائیے دنیا کی عظیم ترین سلطنت کے لخت جگر کو میرے پہلو کی زینت بنا دیجئے ۔

اور میں پھر بھی دنیا کی سرگوشیاں آپ کے کانوں تک پہنچا دوں گا ۔ اس کو دیکھو جس نے سیاست کے پیچھے اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے ۔ جائیے فردوس سے میرے لئے حور مانگ لائیے ۔ پھر بھی میں دنیا کی دلفریبیوں کو کیا جانوں (نفرت سے) دنیا کی نظروں میں یہ طعنے لکھے ہوئے دکھا دوں گا ۔ یہ بدنصیب عورت کی دل فریبیوں کو کیا جانے (نفرت سے) دنیا اور اس کی نظریں ! پھر اگر انارکلی کو ۔ اپنا لینے پر یہ دنیا کہے کہ محبت اندھی ہے تو میں دل کھول کر ہنس سکتا ہوں ۔

رانی ۔ (سلیم کے قریب جا کر محبت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے) لیکن سلیم ہم اسی دنیا کے خادم ہیں ۔ ہمیں جو کچھ بنایا ہے ۔ اسی دنیا نے بنایا ہے ہندوستان کی باگ ہمارے ہاتھ میں دے کر یہ دنیا ہمارے ایک ایک فعل کو تو ڑ رہی ہے ۔ ہم اس دنیا سے لاپرواہ ہو سکتے ہیں ۔ ؟

سلیم ۔ اکبر اعظم اور دنیا کے تعلقات پر کوئی دوسرا فرزند قربان کر دیجئے ۔ سلیم کے ہاتھ ہندوستان کی باگ سنبھالنے کے لیئے آزاد نہیں ۔

رانی ۔ سلیم تو جو کچھ کہہ رہا ہے سمجھ نہیں رہا ۔

سلیم ۔ میں سمجھ رہا ہوں ۔ خوب سمجھ رہا ہوں لے لیجئے ۔ مجھ سے سب کچھ لے لیجئے ۔ ان محلوں کی عشرت، ہندوستان کی سلطنت، دنیا کی حکومت، خزانوں کی دولت، سب کچھ لے لیجئے ۔ اور مجھ کو اور انارکلی کو ایک ویرانے میں تنہا چھوڑ دیجئے ۔ جہاں میں صرف اس کو دیکھوں ۔ اس کو سنوں ۔ میں اپنی فردوس میں پہنچ جاؤں گا ۔ اور ماں باپ کے احسان کی یاد میں میری آنکھیں ہمیشہ پر نم رہیں گی ۔

(مڑ کر مسند کے قریب آ جاتا ہے)

رانی ۔ (وہیں کھڑے کھڑے) اور اگر تیرا باپ یوں نہ مانے ۔ ؟

سلیم ۔ (توقف کے بعد) تو ان سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ بادشاہ ہیں تو میں بادشاہ کا بیٹا ہوں ۔ اگر ان کی رگوں میں مغلیہ خون دوڑ رہا ہے تو میری رگوں میں راجپوتوں کا لہو بھی بے تاب ہے ۔ اور میں جانتا ہوں ۔ تلوار سے کیا کام لیا جا سکتا ہے ۔

(بے چین بے چین سا سامنے تکتا ہوا مسند پر بیٹھ جاتا ہے)

رانی ۔ (قریب آ کر سا پیچھے سلیم ۔ تجھے کیا ہو گیا ۔ تو سلیم ہے نہ ؟ میرا بیٹا ! یہ تو بول رہا ہے ۔ ؟

سلیم ۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) سلیم آپ کا بیٹا ۔ آپ کا اور اکبر اعظم کا بیٹا ۔ نامراد اور رسوا بیٹا ۔ بدبخت شہزادہ ! (سلیم کے آنسو نکل آتے ہیں ۔

رانی ۔ (سلیم کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو جاتی ہے نزدیک بیٹھ کر اسے لپٹا لیتی

ہے۔)

میری جان! میرے لال! یہ آنسو ماں کا لہو۔ میں تجھے انارکلی دوں گی تیرے باپ سے لے کر دوں گی۔

سلیم ۔ اماں! (ماں سے آنکھیں چار کر کے اس سے لپٹ جاتا ہے)

رانی ۔ میرا بچہ (اسے سینے سے لگا لیتی ہے)

سلیم ۔ (توقف کے بعد اشک آلود آنکھیں سے ماں کو تکتے ہوئے) وہ مان جائیں گے؟

رانی ۔ (سلیم کے آنسو پونچھتے ہوئے) انھیں ماننا پڑے گا۔

سلیم ۔ وہ آپ سے انکار کر چکے ہیں۔

رانی ۔ میں نے انھیں صرف انارکلی کو چھوڑ دینے کے لئے کہا تھا وہ سمجھے تھے کہ وہ چھوٹ گئی تو تو پھر اس سے ملے گا۔ اب میں کہوں گی کہ وہ انارکلی تیرے لئے چھوڑ دیں۔

سلیم ۔ کچھ دیر سوچ میں چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے۔ اگر وہ نہ مانے انھوں نے انکار کر دیا۔

رانی ۔ تو انہیں پچھتانا پڑے گا۔

(رانی کھڑی ہو جاتی ہے۔ تھوڑی سے پکڑ کر سلیم کا منہ اوپر کرتی ہے۔ اور اس کی پیشانی چوم لیتی ہے۔ پھر اعتماد انگیز انداز میں اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے۔ کچھ اور کہنا چاہتی ہے۔ مگر نہیں کہتی اور رخصت ہو جاتی ہے۔ سلیم اپنی سوچ میں بیٹھ جاتا ہے۔

سلیم ۔ (سوچتے ہوئے) انھیں پچھتانا ہوگا۔ وہ پچھتائے بھی تو پھر کیا ہے۔ اور انکار کر دیا۔ تو کیا (جیسے درد کے احساس سے آنکھیں بند کر کے) آہ!

انکار - خداوندا یہ کس آگ کی سوزش کس شعلے کی جلن ہے (اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے) انکار، نہیں انکار نہیں - یہ سب کچھ مہیب ہو جائے گا۔ سب کچھ بھیانک (دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر فکر میں غرق ہو جاتا ہے)

(کچھ دیر بعد ثریا داخل ہوتی ہے)

ثریا - (گھبرائی ہوئی آواز میں) صاحبِ عالم! میری آپا! (رو پڑتی ہے)

سلیم (مڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہے) تو ثریا۔ رو رہی ہے -؟

ثریا - میری آپا کہاں ہیں - میرے شہزادے، میرے بادشاہ! میری باجی کن دیواروں میں بند ہیں -

سلیم - ثریا کو غور سے تکتے ہوئے - تو بھی ان دیواروں سے ٹکرائے گی؟

ثریا - میں ان سے اپنا سر پھوڑ لوں گی صاحبِ عالم مجھے صرف راستہ بتا دیجئے -

(سلیم، ثریا کو تکے جا رہا تھا! میں خود نہیں جانتا - لیکن ایک مدھم آواز میرے کانوں سے دماغ تک شعلوں میں لرز لرز کر مجھے بتا رہی ہے راستہ کون سا ہے -؟

ثریا (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) کونسا راستہ -؟

سلیم (توقف کے بعد سہم کر) وہ مار ڈالی جائیں گی -

ثریا - (توقف کے بعد سہم کر) وہ مار ڈالی جائیں گی -

سلیم - (سامنے کہیں دور گھورتے ہوئے) خدا ہی جانتا ہے -

ثریا - (بے تاب ہو کر سلیم کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے) آپ انھیں نہ بچائیں گے -

سلیم - (اسی محویت میں) کون کہہ سکتا ہے -

ثریا میرے شہزادے! میرے صاحبِ عالم! اللہ انھیں بچائیے - میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں - انہیں بچائیے - (دو زانو ہو کر سلیم کے قدموں کو چھوتی ہے اور

دو زانو بیٹھی بیٹھی کہتی ہے) آپ نے ان سے کہا تھا۔ انار کلی سلیم کے پہلو سے نوچی نہیں جا سکتی۔ ناممکن ہے ناممکن آپ نے نہیں کہا تھا۔ تیرے لئے میں چھوڑ سکتا ہوں اس محل کو۔ اس سلطنت کو سب کو آپ نے کہا تھا۔ اگر تو نہ رہی تو وہ نہ رہے گا۔ آپ نے تاروں کے سامنے کہا تھا۔ خدا کے سامنے کہا تھا۔ آپ اپنے لفظوں سے پھر جائیں گے۔ جو آپ نے ایک کمزور بے بس غریب لڑکی سے کہے تھے۔ اس لڑکی سے جسے آپ کی زبان اپنی اور صرف اپنی کہتی۔

سلیم (مضطرب ہوکر) ثریا چپ ہو جا۔ تیری باتیں جہنم کا گرم سانس ہیں (ایک لعنت مڑتا ہے اور پیچھے جا کر کھڑا ہوتا ہے)

ثریا (اٹھ کر پیچھے پیچھے جاتی ہے) نہیں آپ اسے بچالیں گے آپ مرد ہیں بات کے دھنی ہیں۔ آپ اپنا قول پورا کر کے دکھائیں گے ایسے قید خطرے کے اندھیرے میں پتنگے کی طرح کانپتا کر دم توڑ دینے کو نہ چھوڑ دیں گے۔

سلیم:۔ (بے قراری سے مڑ کر ثریا سے پیچھا چھڑانے کو پھر سامنے آ جاتا ہے) چلی جا چلی جا نہیں تو میں کچھ ایسا کر بیٹھوں گا کہ فطرت خود ششدر رہ جائے گی۔

ثریا:۔ (وہیں پیچھے کھڑے) کہہ دیجئے کہ چھوٹ جائیں گی اور پھر مجھے نکال دیجئے یہاں سے۔ اپنے محل سے اس دنیا سے۔ صاحب عالم میں ہنستی ہوئی رخصت ہو جاؤں گی۔

سلیم:۔ (بغیر ثریا کی طرف دیکھے) صرف وقت جاتا ہے۔ کیا ہونے والا ہے جا اور انتظار کر)

ثریا (سرجھکائے رخصت ہوتی ہے) سیڑھیوں پر جا کر رک جاتی ہے میں اپنی باجی کو دیکھ پاؤں گی۔

سلیم:۔ (چیں بہ جبیں اندر سامنے گھورتے ہوئے کہا) وہ یا سلیم کو بلا نہ دیکھے

پائے گی

ثریا: خدا آپ کو دنیا کی بادشاہت نصیب کرے۔

(رخصت ہو جاتی ہے)

سلیم (اسی محویت میں) کیسی گہری اور اندھیری کہر جس میں خون کے جلتے ہوئے دھبے ناچ رہے ہیں۔ اور اس پر زرد چہرہ پھٹی ہوئی آنکھیں اور سلیم کی فریاد۔ آنکھیں بند کر لیتا ہے چہرے پر اذیت کے آثار ہیں یا رب یہ کیا ہوا۔ کیوں ہو گیا؟ میری انارکلی! میری جان میری روح تم کہاں ہو اٹھتا ہے کنپٹیوں کو ہاتھوں سے دبائے مسند تک جاتا ہے کچھ دیر وہاں کھڑا رہتا ہے۔ آخر مسند پر گر پڑتا ہے بختیار داخل ہوتا ہے)

بختیار: سلیم

سلیم: چونک کر اٹھتا ہے اور بختیار کی طرف بڑھتا ہے، کیا خبر لائے امیر سے لئے ہر طرف مایوسی ہے، ہر طرف نامرادی ہے وہ نہیں مانتے، نہ مانیں گے اپنے بخت شہزادے کی تنہا امید تم ہو بتاؤ تم داروغۂ زنداں سے مل لیئے؟ وہ مان گیا؟ بے تابی سے سر ہلاکر، نہیں مانا تو بھی کہہ وہ مان گیا۔ نہیں تو میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

بختیار۔ (رحم آلود نظروں سے سلیم کو دیکھتے ہوئے) تمہیں انارکلی سے ایک مرتبہ ملنے پر آمادہ ہے۔

سلیم۔ آمادہ! سچ ہے یا صرف میرے لئے تسلی؟ پوچھتے ہوئے دل ڈرتا ہے؟ بختیار تم نے سچ کہا ہے۔ وہ آمادہ ہے؟

بختیار: اور ہاں وہ آمادہ ہے لیکن بہت بڑے معاوضہ پر۔

سلیم: انارکلی کو چھوڑ کر وہ میرا سب کچھ لے سکتا ہے۔

بختیار :- لیکن سلیم ۔ میرے دوست میرے شہزادے ۔ میں پھر کہوں گا ۔ انارکلی کی گرفتاری معمولی بات ہے وہ چند روز بعد رہا ہو جائے گی ۔ تم اسے بھولنے کی کوشش کرو ۔ کیوں ؟"

سلیم :- (اپنے چہرے سے منہ موڑ کر) کچھ نہ کہو بختیار اس وقت کچھ نہ کہو ۔ میں جینے سے بہت قریب ہوں (پھر اس کی طرف رخ کر کے) مجھے صرف یہ بتاؤ کہ کب کس وقت"

بختیار :- (کسی قدر ملول ہو کر) آدھی رات کے بعد ۔

سلیم :- تنہائی میں

بختیار :- (سر کی خفیف اثبات کے ساتھ) اگر تم سمجھ سے کام لینے کا وعدہ کرو"

سلیم :- (سوچتے ہوئے) (مسند کے قریب آتا ہے) سمجھ سے ؟ میں سمجھ سے کام لوں گا ۔ خوب سمجھ سے (ٹھہر کر توقف کے بعد) اپنی سمجھ سے)

بختیار :- (آخری الفاظ پڑھنی الفاظ میں کہے جانے سے چونکتا اور سلیم کو دیکھتا ہے) اپنی سے کیا ۔

سلیم :- (آنکھیں تنگ ہوتی جارہی ہیں) وہ ایک قاہر بادشاہ کے انصاف کی محتاج نہ رہے گی ۔

بختیار :- (اندیشہ ناک نظروں سے) تمہارا کیا ارادہ ہے ؟

سلیم :- اسی رات میں تیز رفتار گھوڑے اسے کسی ایسے محفوظ مقام پر پہنچا دیں گے جہاں ظل الٰہی کا آہنی ہاتھ نہ پہنچ سکے گا ۔

بختیار :- (کچھ دیر حیرت سے سلیم کا منہ تکتا رہتا ہے ۔ اور پھر جلدی سے اس کے قریب آکر) سلیم ! تم دیوانے ہو گئے ہو ۔

سلیم :- اگر میں نے اسے ظل الٰہی کے رحم پہ چھوڑ دیا تو ضرور دیوانہ ہو جاؤں گا ۔

بختیار :- پریشانی کے عالم میں سلیم کے سامنے بیٹھ کر) لیکن زنداں کے پہاہی.

سلیم :- آنکھوں سے چنگاریاں اٹھنے لگتی ہیں) اور مغل عہد کی تلوار۔

بختیار (سراسیمہ ہوکر) سلیم سنو یہ بغاوت ہے ۔

سلیم (کھڑا ہو جاتا ہے) میں اسی پر آمادہ ہوں ۔

بختیار :- کھڑے ہو کر حیرانی سے) تم اپنے باپ سے ہندوستان کے شہنشاہ سے باغی ہو جاؤ گے ؟

سلیم :- تمام دنیا باغی ہے ۔ بادشاہ خدا سے، تمول افلاس سے مصلحتیں انصاف سے اور اب جو کچھ باقی ہے ۔ وہ بھی باغی ہو گا ۔ سب کو باغی ہو جانے دو دیکھیں رہ کر آگ اور خون موت اور جنون کے اس دیوانے ہنگامے میں سے دیکھتا ہوا کیا نکلتا ہے ۔

بختیار :- تم جانتے نہیں ۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا ۔

سلیم (خاموش کرنے کو ہاتھ اٹھا کر) میں جاننا نہیں چاہتا ۔

بختیار :- (ذرا دیر بے حد اندیشہ ناک تفکرات میں غرق رہ کر) کاش مجھے پہلے معلوم ہو جاتا میری اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوگا ۔

سلیم :- معاملات اور بدتر ہو جاتے ۔

بختیار (ملامت کے انداز میں) تم نے مجھ سے کہا تھا ۔ تم انارکلی سے ایک مرتبہ ملنا صرف اس کو دیکھنا چاہتے ہو ۔

سلیم :- تب امید ٹمٹا رہی تھی ۔ اب بجھ چکی ۔

بختیار :- نہیں جانتا کیا کہے (بیقراری سے مڑ کر ذرا فاصلے پر جاتا ہے اور کرتم کھڑا رہتا ہے) داروغہ زنداں گوشیہ تھا ۔ بہت تامل تھا وہ کسی طرح رضامند نہ ہوتا تھا میرے اصرار اور وعدوں نے معاوضے کے

لالچ نے مشکل اسے آمادہ کیا لیکن سلیم وہ ہوشیار رہے گا۔ اکبر اعظم کے عذاب کا خوف اسے چوکنا رکھے گا۔ بہت چوکنا۔ جو جیتے جی تمہیں انارکلی کو نہ لے جانے دیگا۔

سلیم :۔ میرے جیتے جی وہ انارکلی کو نہ دیکھنے پائے گا۔

بختیار ہے بسی کی متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر تکتا ہے کچھ کہنا چاہتا ہے مگر بے سود کچھ کہہ نہیں سکتا، دوسری طرف ہٹ جاتا ہے کچھ دیر فاصلے پر خاموش کھڑا رہتا ہے آخر نہیں رہا جاتا بیقرار ہو کر مڑتا ہے اور سلیم کے قریب آتا ہے اور بڑے درد اور خلوص سے کہتا ہے۔

سلیم! تم تیار ہو جاؤ۔ گرفتار ہوئے تو ذلیل و رسوا۔ اور فرار ہو گئے تو آوارہ وطن اور بے نوا۔

سلیم :۔ ساکت کھڑا جیسے افق میں اپنا مستقبل دیکھ رہا تھا۔ بختیار کا خلوص آخر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ سلیم کے چہرہ پر ایک مردہ سا تبسم آجاتا ہے) جو آرہا ہے آنے دو۔ بختیار! اسے نہ تم روک سکتے ہو اور نہ اکبر اعظم۔ ایک طرف موت کے خون آلود دانت ہیں اور دوسری طرف غریب الوطنی کے زہر آلود کانٹے۔ اور دونوں کے درمیان تقدیر پراسرار ششدر اور چپ چاپ کون جانے اس کے ہونٹوں پر تبسم آجائے یا آنکھ میں آنسو لیکن موت بھی انارکلی کے لئے اور اس کے پہلو میں شیریں ہو گی بختیار وصال کی طرح شیریں۔ آنکھیں بند کر لیتا ہے) مگر میرے دوست آ۔ کچھ دیر یونہی چپ چاپ میرے سینے سے لگ جائے دیکھے ڈر ہے میرا دل اغانہ دھڑک اٹھے۔ کہ تھم جانے میں تسکین چاہتا ہوں

سلیم ہاتھ پھیلاتا ہے۔ بختیار کچھ دیر گم سم کھڑا اسے تکتا رہتا ہے آخر سلیم کی محبت بے قابو کر دیتی ہے آنکھیں اشک آلود ہو جاتی ہیں۔ بڑھ کر دو زانو ہوتا اور سلیم کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا ہے سلیم اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیتا ہے۔

منظر دوم

زنداں! اسی روز آدھی رات کو۔

ایک تہ خانہ جس کی اونچی دیواریں سیل کی وجہ سے شور آلود ہیں، چھت کے قریب ایک سلاخ دار روزن ہے یا ہر زمین کی سطح سے اونچا ہونے کے اس خانے کی سیڑھیاں اسی ڈیوڑھی میں آکر ختم ہوتی ہیں دروازے جس کے باہر تہ خانے سے دو سیڑھیاں اونچی ایک مختصر سی ڈیوڑھی ہے۔ تہ خانے کی سیڑھیاں اسی ڈیوڑھی میں آکر ختم ہوتی ہیں دروازے میں سلاخیں لگی ہیں اور باہر کی طرف ایک بھاری قفل پڑا ہے۔ تہ خانے میں بیاسی پتھر کا فرش ہے کونے میں پرال کا ایک ڈھیر ہے جو قیدی کے لئے ایک بستر کا کام دیتا ہے۔

روشنی کیلئے طاق میں چراغ رکھا تھا بجھ چکا ہے تہ خانے میں اندھیرا ہے صرف روزن میں سے باہر کا آسمان اور اس کے تارے نظر آرہے ہیں۔ روشنی ہے جس کی امداد سے اگر آواز کی رہنمائی میں غور سے دیکھا جائے تو تہ خانے کے درمیان انارکلی کھڑی ہوئی ایک نسبتاً کم تاریک نظر آتی ہے حرم کے جشن کی جگمگاہٹ کے بعد آج جب اس کے دماغ پر سے تیز و تند شراب کا اثر رفتہ رفتہ زائل ہوا۔ تو اس نے آپ کو تیرہ و تاریک محبس میں پایا۔ وہ روتی رہی چیختی رہی چلاتی رہی لیکن اس کی فریاد کی کچھ سنوائی نہ ہوئی اسے کچھ یاد نہیں وہ کب اور کیوں کر یہاں لائی گئی۔ اس کے دماغ پر اب تک ایک غبار سا چھایا ہوا ہے اور اس کے سہمے ہوئے حواس اسے یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ سب کچھ نیند میں گزر رہا ہے۔

انارکلی:۔ ٹوٹ جا! نیند ٹوٹ جا۔ میں تھک گئی۔ سانس ختم ہو جائے گا۔ میں مر جاؤں گی۔ نہیں نیند میں پھر کیا ہوگا! (دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر بے قرار

سے سر ہلاتی ہے) صاحب عالم مجھے جگا دو۔ جہاں سو رہی ہوں۔ اس جگہ میرے سینے پہ ہاتھ رکھ دو۔ میری بھنچی ہوئی مٹھیاں کھول دو۔ مجھے آواز دو، آہستہ سے دل کی دھڑکن میں سانس میں گرمی میں۔ کوئی سن نہ لے صرف میں سنوں۔ میری انارکلی۔ میری اپ انارکلی میں کہوں۔ سلیم۔ سلیم۔ سلیم یا خواب کی دنیا میں آوازیں مل جائیں۔ تمہاری گود میں آنکھیں کھول دوں میں اپنا خواب سناؤں تم مجھے اپنی آغوش میں لے لو۔ اور قہقہہ لگا دو۔ تم سے لپٹ جاؤں اور میں بھی قہقہہ لگاؤں۔ اور پھر اکٹھے کوئی سہانا نہ خواب دیکھنے لگیں۔ محبت کا روشنی کا مہکتا ہوا جگمگاتا ہوا۔ (چونک کر سہم جاتی ہے تہ خانے کا اوپر کا دروازہ کھلنے کی آواز آتی ہے) کون! اماں میری اماں۔ اماں میری اماں دروازہ کی طرف جاتی ہے اور اسے ڈھکیلتی ہے) راستہ نہیں۔ اماں میری اماں راستہ نہیں سہم کر سکڑی ہوئی کھڑی ہے کسی کے سیڑھیوں پر سے اترنے کی آواز آتی ہے خطرے کے احساس سے سراسیمہ ہو کر کبھی چلنے کے لئے کونوں کی طرف بڑھنا چاہتی ہے کبھی بھاگ جانے کو پھر دروازے کی طرف رخ کرتی ہے ایسی متوحش ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے منہ سے ایک مدھم سا گھٹتا ہوا شور نکل رہا ہے۔ آخر چکر کھا کر گر پڑتی ہے اور بے ہوش ہو جاتی ہے۔ ڈیوڑھی میں روشنی اور سائے نظر آتے ہیں وہ اسی دیر بعد سلیم اور اس کے پیچھے پیچھے داروغہ زنداں داخل ہوتا ہے۔ سلیم نے فرغل پہن رکھی ہے۔ داروغہ زنداں نے روشنی کے لئے ایک دو شاخہ اٹھا رکھا ہے۔ اس کی مدھم روشنی میں اس دبلے پتلے سیاہ فام شخص کی کھچڑی داڑھی عقاب نما ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔ داروغہ زنداں دو شاخہ کو ایک طاق میں رکھ دیتا ہے۔

سلیم (مڑ کر) تم باہر ٹھہرو۔

داروغہ :۔ (تامل سے) میں نے اس کا وعدہ نہ کیا تھا۔

سلیم :۔ میں نے تنہا ملاقات کرنے کی قیمت ادا کی ہے۔

داروغہ :۔ تنہائی میں ملاقات انمول ہے۔

سلیم :۔ ملاقات یونہی ہوگی تمہیں قیمت سوچنے کی پھر اجازت ہے۔

داروغہ :۔ یہ میری موت اور زندگی میرے لیے خاندان کی راحت و رسوائی کا سوال ہے۔

سلیم :۔ (رکھائی سے) میں سمجھ سے کام لوں گا۔

داروغہ :۔ (تامل سے) مجھے بہت شبہ ہے۔

سلیم :۔ (کڑک کر) کمینے تو سمجھتا ہے مجھے پیاسا لوٹا دے گا۔ ترسا پھیر دیگا۔

داروغہ :۔ میں بے بس ہوں۔

سلیم :۔ میں ولی عہد ہوں اور تمہاری اس بد معاملگی کی داستان شہنشاہ کے کانوں تک پہنچانے کے بہت سے ذرائع ابھی تک رکھتا ہوں۔

داروغہ :۔ (مرعوب ہو کر) صاحب عالم۔

سلیم :۔ حقارت سے) باہر جا۔

داروغہ :۔ (جاتے جاتے) لیکن صاحب عالم مجھے معلوم ہے انارکلی کے متعلق اپنے نسبت العین کی کوتاہی سے زیادہ صحیح داستان ظل الٰہی کے کانوں تک پہنچنا خطرناک نہیں۔

سلیم :۔ (ان سنی کر کے) اس وقت لوٹ جب میں پکاروں۔

داروغہ :۔ (ڈیوڑھی میں سے) میں اس وقت لوٹوں گا۔ جب فرض مجھے پکارے گا۔ (داروغہ خانہ کی سیڑھیوں کی طرف مڑ جاتا ہے۔)

سلیم :۔ (غصہ سے) کمینہ بد معاش (مڑ کر ادھر اُدھر انارکلی کو دیکھتا ہے) انارکلی

انارکلی تم کہاں ہو؟ آگے بڑھتا ہے (انارکلی سے ٹھوکر لگتی ہے) خدایا زمین! —
جلدی سے بیٹھ جاتا ہے) زندہ ہو نا؟ (ہلا کر) انارکلی! انارکلی! (اس کا سر اپنی گود میں
رکھ لیتا ہے) انارکلی بولو! آنکھیں کھولو۔ ہوش میں آؤ انارکلی۔
انارکلی (بولتی ہے مگر آنکھیں بند ہیں) صاحب عالم — صاحب عالم! تمہیں ہو میں
نے پہچان لیا۔ تمہاری آواز سن رہی ہوں پکارو — اور زور سے جھنجھوڑو۔
سلیم : انارکلی، میری جان جاگو۔ دیکھو۔ تمہیں سلیم جگا رہا ہے۔ تمہارا سلیم۔
انارکلی : (نیم وا آنکھوں سے) میں جانتی ہوں۔ تم مجھے جگاؤ گے۔ اس گرم نیند
سے۔ اپنی ٹھنڈی گود میں۔ اپنے شاہی محل میں جگاؤ گے۔ کیسی پیاری بات!
پر اب تک تم کہاں تھے؟ میں اسی تپتی اور جلتی ہوئی نیند میں روتی رہی چیختی
رہی۔ تمہیں پکارتی رہی۔
سلیم (ہلا کر) انارکلی اب تک بے ہوش ہو جاگو۔ میری روح جاگو۔
انارکلی : جاگ گئی تم سے بول نہیں رہی۔ تمہاری آواز سن رہی، میرے ہوش و
حواس تو تم ہو تمہارے ہوتے ہوئے میں کیوں بے ہوش ہونے لگی۔
سلیم : پریشانی سے اسے تکتے ہوئے) انارکلی تم دیوانی ہو گئی ہو۔
انارکلی (اٹھ بیٹھ جاتی ہے) تم سے کس نے کہا؟ ظلم کے ان کلوں نے جو میرے
رونے پر ہنستے تھے۔ کھل کھلاتے تھے۔ قہقہے مارتے تھے۔ درندے! (انگلی
ہونٹوں پہ رکھ) چپ چپ دیکھو سنو! ویران نیند میں سے ان کے قہقہوں کی گونج
آرہی ہے۔ (سہم کر سلیم سے چمٹ جاتی ہے) میرے پاس سے نہ جانا
صاحب عالم نہ جانا۔ وہ مجھے جینا نہ چھوڑیں گے۔ مار ڈالیں گے چھری
بھونک کر گلا گھونٹ کر گھور کر مرچ کھلا کھلا کر!
سلیم : (سراسیمگی سے) انارکلی خدا کے لیے ہوش میں آؤ محبت کا واسطہ

ہوش میں آؤ۔ میرے دماغ کے تار بہت تن چکے ہیں۔

انارکلی :۔ (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) میں کیا کروں کچھ کہو تو تم صرف حکم دو کنیز مانے گی۔

سلیم :۔ مضطرب ہو کر ادھر ادھر دیکھتا ہے کیا کرے پھر بے بسی کے عالم میں انارکلی کا منہ تکنے لگتا ہے) انارکلی یاد کرو کیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ مل کر یاد کرو۔ کیا ہوا تھا۔ جہاں مجھ کو چھوڑا تھا۔ وہیں سے مجھ کو ساتھ لو۔

انارکلی :۔ کہاں سے ؟

سلیم (ہاتھ اس کے گرد ڈال کر، تمہیں جشن کی رات یاد ہے)

انارکلی :۔ (سوچتے ہوئے) جشن کی رات ؟ ہاں ہاں! وہاں تم تھے۔ میری عمر بھر کی آرزو۔ روشنیوں اور خوشبوؤں میں سلیم بنکر بیٹھی ہوئی تھی اور میں تھی۔ بس تم تھے اور میں تھی۔ میں تھی اور تم تھے۔ میں گا رہی تھی۔ تم مسکرا رہے تھے۔ میں ناچ رہی تھی تم جھوم رہے تھے۔ اور جنت زمین پر اتر آئی تھی۔ کاش میں اس گیت اور ناچ بنکر رہ جاتی۔

سلیم :۔ ہاں ہاں اور پھر۔

انارکلی ۔ اور پھر ؟ ۔ ہاں جیسے جہنم کا سب سے گہرا اور اندھیرا غار پھٹ پڑا کالے اور اندھے دھوئیں نے ہمیں ایک دوسرے سے کھو دیا اور شعلوں کی پتلی پتلی۔ لمبی لمبی اور بے قرار زبانیں لپک پڑیں میرا دم گھٹ کر رہ گیا اور

سلیم :۔ اور تمہیں نہیں معلوم یہ کیا ہوا ؟

انارکلی (سلیم کو تکتے ہوئے، تم بتاؤ ؟

سلیم :۔ ظل الٰہی نے ہم دونوں کو محبت کے اشارے کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ یاد نہیں ان کی وہ گرج "ہو"

انارکلی :۔ (سوچتے ہوئے) یاد آگیا یاد آگیا ۔ آسمان پھٹ پڑا تھا ۔ پناہ پناہ ۔

سلیم :۔ اور وہ حبشی غلام ۔ اس کا تم کو گرفتار کرنا ۔

(انارکلی سکڑ کر سلیم کے ساتھ لگ جاتی ہے)

اور پھر وہ تمہیں یہاں قید خانہ میں ڈال گئے ۔

انارکلی :۔ قید خانے میں ؟ (ادھر ادھر دیکھ کر) ہم کہاں ؟ قید خانے میں ۔ مجھے یاد آگیا (پیشانی پر ہاتھ رکھ لیتی ہے) میرے دماغ پر کیا آگیا تھا ۔ یونہی ہے یونہی ہے سب کو معلوم ہو چکا ۔ یونہی ہونا تھا ۔ میں قید میں ہوں ۔ میری ثریا ۔ میں قید میں ہوں (سر جھکا لیتی ہے) تم بھی قید ہو گیا ۔ صاحب عالم !

سلیم :۔ دروازے پر ایک نظر ڈال کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے ساتھ انارکلی کو بھی کھڑا کر لیتا ہے ۔ میں تمہیں لے جانے کو آیا ہوں ۔

انارکلی :۔ ظل الٰہی مان گئے ۔ مجھے تم کو دے ڈالا ؟

سلیم :۔ نہیں میں ان کی چوری سے تمہیں بھگا لے جانے کو آیا ہوں ۔

انارکلی :۔ مار ڈالیں گے (سوچتے ہوئے) اور پھر نعش رہ جائے گی (لجاجت سے) نہیں نہیں ۔ میری جان کیوں لیتے ہو ۔ میں نے کیا کیا ہے ؟ میں تمہیں چاہتی ہوں اس لئے ۔ اور تو کچھ نہیں چاہتی ۔ مجھے چاہنے دیں میں چاہتی رہوں گی ۔ صرف چاہتی رہوں گی ۔ اور چاہتی چاہتی آپ ہی مر جاؤں گی ۔

سلیم :۔ (جوش سے) یہ ناممکن ہے تم میرے ساتھ بھاگ جاؤ گی ۔

انارکلی :۔ کہاں ؟

سلیم :۔ جہاں ظل الٰہی کی شعلہ بار نظریں نہیں پہنچ سکتیں ۔ جہاں ان کی پیشانی کی شکنوں کا سایہ نہیں پڑ سکتا ۔ جہاں محبت آزادی کے سانس لیتی ہے محبت ہنستی ہے ۔ محبت کھیلتی ہے ۔

انارکلی (سوچتے ہوئے) ایسی جگہ! ایسی جگہ!

سلیم :- جذبات سے بے تاب ہو کر انارکلی کو بازوؤں میں لے لیتا ہے) تو میرے دل کی سنگھاسن پر بیٹھ کر حکومت کرے گی۔ تو میری دنیا کی ملکہ ہوگی اور میں تیری دنیا کا غلام اور وہاں رنگین جھاڑیوں کی معطر ٹھنڈک میں جہاں جہاں کلیاں لجا کر رہی جا رہی ہوں گی اور چاندنی کی سوچ میں چپ چاپ ٹھہر گیا ہوگا۔ مغرور عاشق تھکے ہوئے چاہنے والے آرام کریں گے۔ تو میرے زانو پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر کے لیٹے گی اور صرف میرے سانس میں محبت کو سنے گی اور تو مسکرا کر آنکھیں کھول دے گی۔ تو چاند ہنستا ہوا چھپ دے گا۔ کلیاں کھلکھلا کر ہم پر گرنے لگیں گی اور پھولوں کے نرم اور معطر ڈھیر کے نیچے دو دھڑکتے ہوئے دل۔

انارکلی :- (بے تابی سے) چلو، کدھر کو چلو۔ وہاں کا کونسا راستہ ہے؟

سلیم :- بغل میں سے تلوار نکال کر) وہ یہاں ہے۔

انارکلی (بے تابی سے) چلو، کدھر کو چلو۔ وہاں کا کونسا راستہ ہے؟

سلیم :- یہاں یا وہاں؟

انارکلی (گھبرا کر) وہ ہمیں پکڑ لیں گے۔ مجھے تم سے چھین لیں گے محبت بچھڑ جائے گی۔ پھر کیا ہوگا؟

سلیم :- تقدیر ہی جانتی ہے۔

انارکلی (سلیم کے ساتھ لگ کر) یوں نہ کرو یوں نہ کرو تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ میں کیا کروں گی؟ یوں۔ یوں نہیں۔

اس میں خطرہ ہے نہ جانے کیا۔

سلیم :- ہم اکٹھے مرنے کو بھی تیار ہیں۔ تیار ہیں انارکلی۔

انارکلی :- (کچھ دیر سلیم کا منہ تکتی رہتی ہے) ہاں تیار ہوں۔

سلیم :- تو آؤ میرے بازوؤں میں آؤ۔ میں تمہیں اس زنداں اور قلعے میں خون کی چھینٹوں میں سے گزار لے جاؤں گا۔ باہر برق رفتار گھوڑے ہمارے منتظر ہیں۔ باقی تقدیر جانتی ہے۔

سلیم بانہوں کو کھول دیتا ہے انارکلی اس سے لپٹ جاتی ہے وہ دائیں ہاتھ انارکلی کے گرد ڈالے دروازہ زنداں کی طرف دوڑتا ہے یک لخت سیڑھیوں پر سے کسی کے اترنے کی آواز آتی ہے۔

داروغہ - ہانپتا کانپتا ڈیوڑھی میں داخل ہوتا ہے اس قدر خوف زدہ اور سہمے معلوم ہوتا ہے۔ کچھ بات نہیں کر سکتا۔

سلیم :- تو آگیا کمینے! انارکلی کو مجھ سے چھیننے۔

داروغہ :- (بے انتہائی پریشانی کے عالم میں) نہیں نہیں اور بات ہے

سلیم :- کیا ہے؟

داروغہ :- میں اور آپ دونوں خطرے میں ہیں۔

کیسے؟

ظل الٰہی ادھر آ رہے ہیں۔

انارکلی آنکھیں پھاڑے داروغہ کو تک رہی تھی اور ظل الٰہی کے نام سنتے ہی ایک آہ بھر کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔ سلیم کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے دوسرے ہاتھ سے اس نے بے ہوش انارکلی کو سنبھال رکھا ہے۔

سلیم :- دیکھ آکر ظل الٰہی کون آتا ہے

داروغہ - چونکا دار حسرار رہے

سلیم :۔ کیوں آئے؟ (سوچ میں پڑ جاتا ہے) انارکلی کی جان لینے کو۔

داروغہ :۔ نہیں قیدیوں کے معائنے کے لئے۔

سلیم :۔ جھوٹ رات کو معائنہ؟ وہ جان لینے کو آئے۔ مار ڈالنے کو۔

داروغہ :۔ داروغہ دو زانو ہو کر اور ہاتھ جوڑ کر مجھے بچا لیجیے صاحب عالم! للٰہ چلے جایئے ساتھیوں نے آپ کو یہاں دیکھ لیا۔ تو میں سزا پاؤں گا۔ مار ڈالا جاؤں گا۔ میرے بچے دنیا میں لاوارث رہ جائیں گے۔ ہم سب برباد ہو جائیں گے۔ (پیروں کو ہاتھ لگا کر) چلے جایئے للٰہ چلے جایئے۔

سلیم :۔ اور انارکلی تم کو خونی بھیڑیوں کے رحم پر چھوڑ جاؤں۔

داروغہ :۔ اس کا بال بھی بیکا نہ ہونے پائے گا۔

سلیم :۔ مجھے اعتبار نہیں۔

داروغہ (داروغہ سلیم کے قدموں میں سر رکھ کر) رات کو سزا نہیں ہو سکتی۔

سلیم :۔ (متفکر نظروں سے) میرا اطمینان نہیں ہو سکتا۔

داروغہ :۔ میں خدا اور اس کے رسول کے سامنے کہتا ہوں رات کو سزا نہیں ہو سکتی

سلیم :۔ (تذبذب کی پریشانی میں اس کا منہ تکتے ہوئے) آج رات کے بعد مجھے یہاں آنے کا موقع نہیں مل سکتا۔

داروغہ (سینے پر ہاتھ رکھ کر) میں موقع دوں گا۔

سلیم :۔ (اسے شبہ کی نظروں سے تکتے ہوئے) کب؟

داروغہ (کھڑے ہو کر) رات میں آج ہی۔

سلیم (سر کی جنبش نفی سے) تیری زبان بدل سکتی ہے۔

داروغہ :۔ میری بدمعاملگی کی داستان ظل الٰہی تک پہنچ سکتی ہے۔

سلیم :۔ (پس و پیش کے عالم میں) میری نظروں میں برے برے شگون

ابھرتے ہیں۔

داروغہ:۔ مضطرب ہو کر ڈیوڑھی میں جاتا اور لوٹ کر آتا ہے) صاحب عالم جلدی کیجئے۔ آپ کو یہاں رہنا ہے۔ تو جان بچا کر بھاگ جانے دیجئے۔ ظل الٰہی یہاں آئیں۔ تو صرف آپ کو اور انارکلی کو پائیں (پاپوسی سے سر ہلا کر) لیکن پھر بھی برباد ہو جاؤں گا۔ میں کیسے اپنے بے خبر بال بچوں کو ساتھ لے کر بھاگ سکوں گا۔ (یہ سر پیٹ کر) میری غریب بیوی معصوم بچو تمہیں کیا معلوم تم صبح کو آنکھ کھولو گے۔ تو کیا خبر سنو گے۔ میں لٹ گیا۔ میرے اللہ! میرے شہزادے میں لٹ گیا۔ (زمین پر بیٹھ کر رونے لگتا ہے)

سلیم:۔ تو سچ کہتا ہے مجھے چھپانا نہ ہوگا۔

داروغہ:۔ (کھڑے ہو کر آنسو پونچھتے ہوئے) مجھے اس وقت بچا لیجئے۔ میں آپکی ضرور مدد کروں گا۔

سلیم:۔ کیسے؟

داروغہ:۔ آپ اوپر میرے حجرے میں ٹھہریئے ظل الٰہی کے رخصت ہو جانے کے بعد دروازہ کھلا چھوڑ کر ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ آپ نیچے آیئے گا۔ اور انارکلی کو اٹھا لے جایئے گا۔ ظل الٰہی میری اسی بھول کا نتیجہ سمجھیں گے۔ آپ انارکلی کو بچا لیں گے۔ میرا قصور بھی تھوڑی سی سزا پر ٹل جائے گا۔

سلیم:۔ (توقف کے بعد) تو جو کہہ رہا ہے یہی کرے گا۔

داروغہ:۔ (سر جھکا کر) مگر میں غریب اہل و عیال والا ادھوری تنخواہ!

سلیم:۔ (بات کاٹ کر) تو کسی چیز کا محتاج نہ رہے گا۔

[پھر کسی کے سیڑھیوں پر سے اترنے کی آواز آتی ہے داروغہ لپک کر ڈیوڑھی میں جاتا ہے۔

سپاہی :- (سیڑھیوں ہی میں سے) داروغہ صاحب ظل الٰہی آ پہنچے (واپس جاتا ہے)

سلیم :- (گجراکر) تو اپنے لفظوں پر قائم رہے گا۔

داروغہ :- (جلدی سے اندر آکر) خدا اور اس کا رسول شاہد ہے۔

سلیم :- میں کیا جاؤں۔

داروغہ :- (ڈیوڑھی میں جاتے ہوئے) میرے ساتھ آئیے۔

سلیم :- (انارکلی کو فرش پر لٹا کر) میری راحت، میری ٹھنڈک - یہاں آرام کر خدا اور اس کے فرشتے محافظ ہیں۔

آگے آگے داروغہ اور پیچھے پیچھے سلیم جاتا ہے سیڑھیوں پر سے انکے قدموں کی آواز غائب ہونے کے تھوڑی دیر بعد انارکلی ہوش میں آتی ہے۔

انارکلی :- (اٹھ بیٹھ کر) صاحب عالم! ہم پہنچ گئے؟ کہاں ہیں؟ اندھیرا کیوں ہے؟ - کہو تو؟ بولو نہ؟ چپ کیوں ہو؟ ــــ بیٹھ کر ہائے زنداں ہے۔ وہی جہنم اور تم نہیں اور میرے سلیم تو تو نہیں۔ آجاؤ یہیں جنت بن جائے گی بس تم آجاؤ اور کہیں نہ جائیں گے۔ یہیں گلے میں ڈال کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دم توڑ دیں گے۔ آجاؤ تمہاری انارکلی تمہیں دیکھے بغیر نہ گزر جائے۔

سیڑھیوں پر سے پھر کسی کے اترنے کی آواز آتی ہے انارکلی خوف کے مارے کھڑی ہو کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازہ کی طرف تکتی ہے۔ داروغہ زنداں آتا ہے اور کواڑ بند کر کے ایک قہقہہ لگاتا ہے)

انارکلی :- (ڈرتے ڈرتے) صاحب عالم کہاں ہیں۔؟

داروغہ کچھ جواب نہیں دیتا ایک قہقہہ لگاتا ہے اور سیڑھیوں پر چڑھ جاتا ہے)

انار کلی! دوڑتی ہے اور دروازے پر جاکر دیوانہ وار اسے ڈھکیلنے کی کوشش کرتی ہے (روتے ہوئے) صاحب عالم! صاحب عالم (چلاّ کر) شہزادے شہزادے (ہانپتے ہوئے) سلیم! سلیم! (بے دم ہو کر) میری اماں میری اماں! بے ہوش ہو کر دروازے کے سامنے اوندھی گر پڑتی ہے

"پردہ"

منظر سوم

اکبر کی خواب گاہ میں اسی رات اور تقریباً اسی وقت

ایک مختصر مگر تکلف سے آراستہ حجرہ جس کی چھت ماہی پشت انداز کی ہے
دیواروں کا بیشتر حصہ قرمزی مخمل کے بھاری بھاری پردوں سے جن پر سیاہ ریشم
سے بڑے بڑے نقش بنے ہیں چھپا ہوا ہے صرف سامنے کی دیوار کے درمیانی حصہ پر
سے پردے سرکے ہوئے ہیں جہاں ایک خوش طبع جالی دار محراب ہے۔ محراب کے
جھروکے میں سے نیلے آسمان پر چند تارے ٹمٹماتے نظر آرہے ہیں۔ ایرانی قالینوں
کے فرش پر تانبے کے رنگ کا پلنگ پوش پڑا ہے سرہانے ایک ہشت پہلو میز پر
تلوار اور دو شاخہ رکھا ہے۔ بائیں طرف ایک خوش قیمت تخت پر زری کے کام
کی مسند بچھی ہے اور اس پر تکیے رکھے ہیں۔ دائیں بائیں دیوار کے ساتھ چھوٹی چوکیوں
پر زریں پھول دانوں میں رتن مالا، ادرگراں پھول کی رنگینیوں میں سے پاڈول
نوازی اور نرگس کے پھول ابھر ابھر کر عطر بیز ہیں۔

کمرے کے درمیان اکبر ایک کشمیری فرغل پہنے ہاتھ ایک ہشت پہلو میز پر
ٹکائے کھڑا سامنے گھور رہا ہے۔ پیچھے تخت پر رانی بیٹھی ہے۔

رانی: مہاراج رحم کیجیے۔ پہلے میری التجا تھی۔ اس کو چھوڑ دیجیے اب میری فرمائش
ہے انارکلی کو چھوڑ دیجیے۔

اکبر: انارکلی کو سلیم کے لئے یہ حکم کہہ رہی ہو رانی؟

رانی: سب کچھ سوچ کر، سب کچھ سوچ کر، سب پہلوؤں پر غور کر کے۔

اکبر: تمہارا مشورہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے تمام خواب چکنا چور کر ڈالوں
وہ خواب، جو میرے خون کا پسینہ۔ میری راتوں کی نیند میری رگوں کا لہو، میری

ہڈیوں کا مغز ہیں تمہارا مشورہ ہے کہ میں ان سب کو چکنا چور کر ڈالوں۔

رانی :- کچھ کہنا چاہتی ہے مگر نہیں کہتی۔ سر جھکا لیتی ہے اولاد کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔

اکبر :- (دبے ہوئے جوش سے) کیا کچھ نہیں کیا گیا۔

رانی (سر جھکاتے ہوئے) پھر اب بھی ہم کیوں نہ صرف ماں اور باپ کا حق ادا کریں۔

اکبر :- اور اس سے کب تک اولاد کے فرض کی امید نہ رکھیں۔

رانی :- (سر اٹھا کر) کیوں امید رکھیں ہمیں تو بچے جو اولاد کی آرزو میں سائے کی طرح اداس پھرتے تھے۔ اور ہمارے ہی لئے اس کا تبسم زندگی کے تمام زخموں پر مرہم تھا۔ ہم تو صرف اس لئے اس کی تمنا کرتے تھے کہ اس سے ہمارا ویران دل آباد ہو اور ہم اپنی موت کے بعد بھی اس میں زندہ رہ سکیں۔ پھر اس سے توقع کیسی۔

اکبر :- تم ماں ہو۔ صرف ماں۔

رانی (جل کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ ضبط کی کوشش کرتی ہے مگر نہیں رہا جاتا۔ پھٹ پڑتی ہے) میں خوش ہوں کہ میں صرف ماں ہوں اور مجھ کو رنج ہے کہ آپ شہنشاہ ہیں صرف شہنشاہ۔

اکبر :- (منہ موڑتے ہوئے) ہم اسے محبت کی غیر ضروری نرمی سے بگاڑنا نہیں چاہتے۔

رانی :- (پیر کر) سختی ایک نوجوان اور جوشیلی طبیعت کو سنوار نہیں سکتی۔

اکبر :- (سر ہلاتا ہوا میز کے دوسری طرف چلا جاتا ہے) لیکن اسے سنوارنا ہوگا سنوارے بغیر اس کا قدم ہندوستان کے تخت کو نہیں چھو سکتا

رانی :- وہ آپ کے ہندوستان کے تخت کو جہنم سمجھتا ہے۔ جہاں انارکلی ہو وہ جگہ اس کی جنت ہے۔

اکبر :- (مڑ کر رانی کو دیکھتا ہے) یہاں تک؟

رانی :- اس کی رگوں میں خون جوانی کے گیت گا رہا ہے اور جوانی کی نظروں میں ہندوستان میں ایک عورت سے زیادہ قیمت نہیں رکھتا۔

اکبر :- (رانی کو تکتے ہوئے) ہندوستان ایک عورت سے سستا ہے۔

رانی :- وہ یہی کہتا ہے۔

اکبر :- خود سلیم؟

رانی :- خود سلیم۔

اکبر :- (سامنے مڑ کر ہاتھ پیشانی پر رکھ لیتا ہے) آہ میرے خواب، وہ ایک عورت کے شوقوں سے بھی ارزاں تھے۔ فاتح ہند کی قسمت میں کنیز سے شکست نہ کھانا لکھا ہے۔

رانی :- (سر جھکا کر خاموش ہو جاتی ہے ذرا دیر بعد سر اٹھا کر) جو ہو چکا بدل نہیں سکتا جو آنے والا ہے اسے سدھار دیجئے۔

اکبر :- (مایوسی کے قلق اور غصے سے) اور کیا آئے گا۔ میرے دل کو اجاڑ دینے کے بعد وہ میرے جسم کو بھی ویران کر ڈالنے کا آرزومند ہے۔

رانی :- کیا کہتے ہیں مہاراج یہ سوچنے سے پہلے وہ اپنی جان گنوا ڈالے گا۔

اکبر :- (غم سے سر جھکا کر) اس کے یہی معنی ہیں ہم، ہماری آرزوئیں، ہماری راحت، ہماری زیست سب اس کے لئے بے معنی الفاظ ہیں۔ اس کا سب کچھ انارکلی ہے۔ اس کے دل میں ماں باپ کی یہ قدر ہے۔

رانی :- اس کے دل میں اپنی محبت کا اندازہ اس کی موجودگی حالت سے نہ لگائیے

یہ جیون آرام سے گزر جانے دیجیئے اور پھر دیکھیئے اور پھر دیکھیئے۔ سلیم کیا بن جاتا ہے۔
اکبر :۔ رانی کو تکتے ہوئے۔ اور یہ جنون کس طرح گزرے گا۔
رانی :۔ چڑھایا ہوا دریا باندھ لگانے سے۔ کے گا۔ اس لیئے انارکلی کو لے دیجیے
وہ اسے اپنی بیگم بنالے، انارکلی ہوکر وہ ہمارا سلیم ہو جائے گا۔
اکبر :۔ (کچھ دیر سامنے دیکھتا رہتا ہے) اسے اپنا بنانے کے لیئے ایک کنیز کا ممنون
احسان نہیں بننا چاہتا (توقف) جو کچھ وہ چاہتا ہے۔ اسے کرنے دو اور جو کچھ میں
چاہوں گا میں کرونگا۔
رانی :۔ مایوس ہو کر چلتی اور پلنگ کے قریب پہنچ کر رک جاتی ہے میں پھر کہوں گی۔
آپ صرف شہنشاہ ہیں۔ صرف شہنشاہ۔
اکبر :۔ خاموش کرنے کو ہاتھ اٹھا کر) ہم اور کچھ نہیں بننا چاہتے۔ ہم سوچیں گے
اور کل صبح انارکلی کا فیصلہ۔"
(انارکلی کی ماں دیوانہ وار اندر گھس آتی ہے)
ماں :۔ انارکلی) کا فیصلہ میری غریب بچی کا فیصلہ اسے بخش دیں ظل الٰہی اے شہنشاہ
اے غریبوں کی قسمت کے والی۔
اکبر :۔ (حیرت اور غصے سے) بغیر اجازت یہاں کی جرأت۔
ماں :۔ دوزانو ہو کر) بندے خدا کے حضور میں بغیر اجازت جا سکتے ہیں۔ اور
تو خدا کا سایہ ہے۔ مہربان شہنشاہ ہے اور وہ میری بچی ہے میری زندگی کی آس ہے۔ خطاوار ہے مگر تو
کریم ہے گنہگار ہے مگر تو رحیم ہے بخش دے اللہ۔ اس کو بخش دے۔
اکبر :۔ جاؤ اور فیصلے کا انتظار کرو۔

ماں :- میں کہاں جاؤں شہنشاہ مجھے کہیں قرار نہیں ۔ رانی تم عورت ہو (اٹھ کر رانی کے پاؤں پکڑ لیتی ہے) بچے کی ماں ہو ۔ ان ٹیسوں کو جانتی ہو میں تمہارے پیر (پاؤں) کو چھوتی ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں ۔ میں دنیا سے سیر ہو چکی نیزوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں ۔ مگر اس ناشاد نے دنیا کا کچھ نہیں دیکھا ۔ اسے بخش دیں ۔

اکبر :- (دروازے کی طرف رخ کر کے) اسے لے جاؤ ۔

خواجہ سرا داخل ہو کر اسے اٹھاتے ہیں ۔

ماں :- میں بے رحم کر رہ جاؤں گی ۔ میں ہوش و حواس کھو بیٹھوں گی ۔ مجھے ہاتھ پھیلانے دو خون کو خون کے لئے التجا کر لینے دو ۔ شاید وہ بچ جائے میری جان! میرے جگر کا ٹکڑا ۔ میری نادرہ ۔

(خواجہ سرا اسے جانے کو کھینچتے ہیں)

"رانی تم بولو شہنشاہ ایک رحم کی نظر ڈالو یہ بڑھیا جی اٹھے گی ۔ (اکبر سر جھکائے خاموش کھڑا رہتا ہے)

ظالمو نہ کھینچو ۔ رحم ، رحم ! الٰہی تو بھی سن ظل الٰہی نہیں سنتا ۔ اے آسمان پھر تو ہی مدد دے رانی مدد نہیں کرتی ان کے دلوں کو نرم بنا ۔ کہ انہیں دکھ معلوم ہو سکے ۔

(اکبر بے قراری سے سر ہلاتا ہے ۔ خواجہ سرا انارکلی کی ماں کو زور سے کھینچتے ہیں ۔

ہائے مجھے یوں نامراد نہ لے جاؤ ۔ میں یہاں سے نکلتے ہی دم توڑ دوں گی ۔ یہ منصف آسمان گر پڑے گا ۔ اس کا قہر کا انتقام لے گا ۔

(خواجہ سرا کھینچتی چلاتی کو زبردستی لے جاتے ہیں پیچھے پیچھے رانی آنسو پونچھتی ہوئی خاموش چلی جاتی ہے ۔

اکبر : (توقف کے بعد سر آسمان کی طرف اٹھا کر، نامراد باپ اور مایوس شہنشاہ بولتا) تیرے
خواب تمام ہوئے (آنکھیں بند کر کے سر جھکا لیتا ہے) دنیا کے واقعات سے، اور تقدیر تک
لڑنے کے بعد کیوں جانتا تھا مجھ کو یہ درد انگیز مرحلے طے کرنا پڑیں گے۔ (گہری آہ بھر کر) جس
کے لیے خود سب کچھ کیا تھا، اس سے اپنی اولاد اپنے شیخو سے الجھنا ہوگا (توقف کے بعد
بے قراری سے) یاس! یاس! ہندوستان کیوں، اور جہاں بانی کی آرزو کیوں؟ (سوچتے ہوئے
ملول نظروں سے) اس کے لیے جس نے ایک حسینہ کی آنکھوں پر باپ کو فروخت کر ڈالا۔
اس کو باپ نہیں چاہیے باپ کی محبت نہیں چاہیے باپ کا ہندوستان نہیں چاہیے وہ
صرف انارکلی کو لے گا۔ ایک کنیز کو جو اسے انداز دکھا دے اس کے سامنے ناچے اور
اس سے اشارے کنائے کرے۔ (ہاتھ پیشانی پر رکھ لیتا ہے۔) آہ میرے خواب! میرے
خواب (انتہائی مایوسی کے عالم میں مڑ کر تخت تک پہنچتا ہے۔ اور اس کے قریب خاموش
کھڑا ہو جاتا ہے) وہ؟ وہ کچھ زیادہ جانتی ہوگی۔ (مڑ کر تالی بجاتا ہے)

(خواجہ داخل ہوتا ہے)

دلآرام۔

(خواجہ سرا الٹے پاؤں واپس جاتا ہے)

(تخت پر بیٹھ جاتا ہے) میرے ہی بیٹے کی محبت اگر کنیز چاہے تو مجھ کو نجس
سکتی ہے۔ آہ شیخو! تم اکبر کی کنیز کو ہی سینے پر بچانا چاہتے ہو (انتہائی صدمہ کے
مارے سر جھکا لیتا ہے)

(دلآرام داخل ہو کر مجرا بجا لاتی ہے)

اکبر : (کچھ دیر چپکا اسے دیکھتا رہتا ہے) لڑکی تجھے شیخو اور انارکلی کے کیا تعلقات
معلوم ہیں؟

دلآرام (سراسیمگی سے) ظل الٰہی کچھ نہیں۔

اکبر :- جواب دینے سے پہلے سوچ۔

دلآرام :- میں نے سچ کہہ دیا۔

اکبر :- (پرسکون انداز میں) تو نے سچ نہ کہا تو تجھ سے سچ کہلوایا جائے گا۔

دلآرام :- (سہم کر) ظلِ الٰہی ظلِ الٰہی!!

اکبر :- ایک لفظ نہیں جو کچھ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے سوا ایک لفظ نہیں۔

دلآرام :- (بڑھ کر دو زانو ہو کر لجاجت سے بیٹھ جاتی ہے) میں کچھ نہیں جانتی۔

اکبر :- (دلآرام کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر) کمینی جھوٹ! تو نے دکھایا صرف تو دیکھ سکتی ہے۔ تمام جشن میں سے صرف تو جو اس وقت ہمارے حضور میں موجود تھی جو سب سے زیادہ مصروف تھی۔

دلآرام :- تو قیمتی کتنا ہوگا۔ سب کچھ جو تو جانتی ہے ورنہ کہلوایا جائے گا۔

دلآرام :- مجھے بخش دیجئے۔ مجھے بخش دیجئے۔

اکبر :- تیرا دوسرا غیر ضروری لفظ پوچھنے کے ذرائع تبدیل کر دے گا۔

دلآرام :- (سہمی ہوئی آواز میں) وہ مجھے برباد کر ڈالیں گے۔ ظلِ الٰہی کے عتاب میں لے آئیں گے۔

اکبر :- کون ۔؟

دلآرام (اِدھر اُدھر دیکھ کر) صاحب عالم۔

اکبر :- وہ جرأت نہیں کر سکتا (دلآرام کی گردن چھوڑ دیتا ہے)

دلآرام :- اکبر کے پیروں کو ہاتھ لگا کر ان کی دھمکی خوفناک تھی ان کے راز کی سزا موت سے بھی زیادہ ہولناک تھی۔

اکبر :- کیا ۔؟

دلارام۔ مجھ پر وہ جھوٹا الزام لگایا جائے گا۔ جو واقعات نے انارکلی پر لگایا۔

اکبر:۔ کہ تو سلیم کو چاہتی ہے۔

دلارام:۔ اور محبت کی مایوسی نے مجھے یوں انتقام لینے پر آمادہ کیا۔

اکبر:۔ تو ہمارے سایۂ عاطفت میں ہے بول۔

دلارام:۔ (کھڑی ہوکر ادھر ادھر دیکھتی ہے) وہ رات کو باغ میں ملتے تھے اور ملاقاتیں خطرناک ارادوں سے بھری ہوئی تھیں۔

اکبر:۔ (دلارام کو تکتے ہوئے) وہ ارادے۔؟

دلارام (لجاجت سے) مجھے جرأت نہیں پڑتی۔

اکبر:۔ (کڑک کر) کہہ جا۔

دلارام (تامل کے بعد) وہ ظل الٰہی کے دشمنوں پر آنچ لانے اور ہندوستان کے تخت پر قبضہ پانے کی تجویزیں کیا کرتے تھے۔

اکبر:۔ دلارام پر یوں نظریں گاڑ کر گویا سب کچھ اس کے جواب پر منحصر ہے،

دلارام:۔ انارکلی صاحب عالم کو اس پر آمادہ کرتی تھی۔

اکبر:۔ (گرج کر) تو جھوٹ بول رہی ہے جھوٹ۔!

دلارام (پیر پر گر کر) ظل الٰہی کے حضور میں زبان سے جھوٹ نہیں نکل سکتا۔

اکبر:۔ اس سے انار نے کیا کہا؟

دلارام:۔ ایک طرف باپ ہے دوسری طرف محبوب دونوں میں سے جو لپسند ہو چن لو۔

اکبر:۔ (بالوں سے پکڑ کر دلآرام کا منہ اوپر کرتا ہے) اور شیخو نے دونوں میں سے محبوب کو پسند کیا۔

دلارام:۔ وہ کھوئے گئے۔ مگر انارکلی رو پڑی وہ اٹھے اور ان کا ہاتھ تلوار پر آگیا۔ انھوں نے انارکلی کے کانوں میں کچھ کہا۔ اور وہ مسکرا دی

لگی۔ اکبر دلآرام کو چھوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے ایذا کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اس کا بدن آگے پیچھے یوں جھوم رہا ہے گویا پیروں میں جسم کو سنبھالنے کے لئے تاب نہیں رہی آخر لڑکھڑا کر تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ میں چھپ کر سن رہی تھی تو صاحب عالم کی نظریں مجھ پر پڑ گئیں۔ یہ سمجھ کر کہ میں گفتگو بارگاہ عالی تک پہنچا دوں گی۔ انھوں نے مجھ کو دھمکی دی کہ انارکلی کا نام زبان پر نکلنے پر تجھ کو پچھتانا ہو گا۔ مہابلی کے ساتھ جھوٹی شہادت پیش کی جائے گی۔ کہ تو خود ہم کو چاہتی ہے اور جب ہم نے تجھ کو مایوس کر دیا۔ تو تو نے اپنی ناکامی کا انتقام لینے کو یہ ڈھنگ نکالا۔ میں سہم گئی۔ میری زبان بند ہو گئی۔ مجھے جہاں پناہ کے حضور میں ایک لفظ زبان نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن میں اس فکر میں گھلتی رہی ایسے موقع کی تاک میں رہی۔ جہاں میری زبان بند رہے اور شہنشاہ کی نظریں دیکھ سکیں۔

اکبر :۔ صدمے کے مارے سن، یوں بیٹھا ہوا ہے۔ گویا اس بھری دنیا میں اکیلا اور تہی دست رہ گیا ہے۔

(آہستہ سے)

دلآرام :۔ (دل سے) صاحب عالم بے قصور ہیں۔ معصوم ہیں۔ وہ پھسلا لئے گئے۔ بہکا لئے گئے۔

(خواجہ سرا آتا ہے)

خواجہ سرا :۔ مہابلی (داروغہ زنداں شرف باریابی چاہتا ہے)

اکبر :۔ کون

خواجہ سرا :۔ (داروغہ جو زنداں میں انارکلی کا محافظ ہے)

اکبر :۔ (دوسری طرف کر کے) ہر زبان پر یہ نام میری تضحیک کر رہا ہے۔ توقف کے بعد خواجہ سرا سے، اس وقت کیا چاہتا ہے۔

خواجہ سرا :۔ اسے کچھ بے حد ضروری کام ہے۔

اکبر :۔ (ذرا دیر خاموش رہ کر) آنے دو۔

خواجہ سرا الٹے پاؤں واپس جاتا ہے۔

(توقف)

دلارام :۔ (لجاجت سے) جہابلی لونڈی کو معاف کرنا۔ میرے الفاظ نے سماعت عالی کو صدمہ پہنچایا۔ مگر میں کیا کرتی کس طرح ظل الٰہی کی جان کو خطرے میں دیکھتی اور چپ رہتی۔

اکبر :۔ (یکایک بے تاب ہو کر) دور ہو جا کمینی۔

(دلآرام مجرا بجا لا کر چلی جاتی ہے)

(اکبر خاموش اور ساکت بیٹھا رہتا ہے مگر اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔)

میرے دماغ میں شعلے بھڑک رہے ہیں میں نہیں جانتا میں کیا کر بیٹھوں گا۔ مگر وہ اس صدمہ کی طرح مہیب نہ ہوگا۔

(داروغہ زنداں داخل ہو کر مجرا بجا لاتا ہے اس کا سانس پھول رہا ہے اور وہ منتظر ہے کہ اکبر اس سے سوال کرے۔

رات کو کیوں آیا؟

داروغہ :۔ (ہاتھ جوڑ کر) ایک المناک داستان سنانے کو۔

اکبر۔ (اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر) بیان کرو۔

داروغہ (ہانپتے ہوئے) صاحب عالم نے اس وقت بزور شمشیر انارکلی کو زنداں سے نکالے جانا چاہا۔

اکبر :۔ پاگلوں کی طرح داروغہ کا منہ تکتے ہوئے) کیا۔؟

داروغہ :- وہ تلوار سونت کر میرے سرہانے پہنچے شمشیر کی نوک میرے سینے پر رکھ کر مجھ سے کنجیاں چھین اور زنداں میں داخل ہو گئے۔

اکبر :- (کھڑا ہو جاتا ہے) شیخو! بزور شمشیر (تحیر کے عالم میں ہاتھ پہلو پر جاتے ہیں۔ باپ کو برباد کر چکنے کے بعد اب وہ شہنشاہ سے بھی باغی ہے۔ (توقف کے بعد کوشش کر کے۔ سکون سے) اور کیا ہوا ؟

داروغہ :- بہ صاحب عالم سے مقابلہ کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ دروازے کے پاس کھڑا ہو کر ان کی گفتگو سننے لگا۔

اکبر (دوسری طرف منہ کر کے) وہ کیا باتیں کر رہے تھے ؟

داروغہ (تھوڑے توقف کے بعد ڈرتے ہوئے) انھیں سن کر شہنشاہ کی سماعت کو صدمہ پہنچے گا۔

اکبر :- دگر ہیچ کہا پول۔

داروغہ :- شہزادہ چاہتا تھا۔ انارکلی کو لے کر بھاگ جائے لیکن انارکلی۔ ہندوستان چاہتی تھی۔ وہ بولی یہ زنجیریں نہ کاٹو اور زنجیریں پڑ جائیں گی۔ میرے اور تمہارے درمیان جو دیوار کھڑی ہے اس کو ڈھاؤ۔

اکبر :- (سامنے گھورتے ہوئے) دیوار! (ذرا دیر بعد اس کا سر یوں جھک جاتا ہے گویا گردن ڈھیلا ڈھیلا ہے)۔

داروغہ (اکبر کو متاثر دیکھ کر) صاحب عالم نے انکار کر دیا اور بھاگ چلنے پر زور دیا۔

اکبر :- ایک لعنت داروغہ کا گریبان پکڑ کر) تو جھوٹ بولتا ہے اس نے انارکلی کی آرزو پوری کرنے کا وعدہ کیا۔

داروغہ (ذرا دیر سمجھ نہیں سکا کہ کیا کہے آخر سراسیمگی سے) نہیں ـــــ ہاں

تو وہ مجبور کر دیئے گئے تھے۔

اکبر:۔ (داروغہ کا گریبان چھوڑ کر قہر آلود نگاہیں اس پر گاڑ دیتا ہے اور پھر۔

داروغہ:۔ دونوں نے وہاں سے نکلنا چاہا۔

اکبر:۔ اور تو؟

داروغہ:۔ میں نے مقابلہ کر کے صاحب عالم کو روکنا محال جانا۔ میں نہ تلوار نکال سکتا تھا نہ انھیں زنداں میں بند کر دینے کی جرأت کر سکتا تھا۔ میں دوڑا ہوا اندر گیا اور میں نے کہا۔ ظل الٰہی تشریف لا رہے ہیں۔

اکبر:۔ اور وہ کیا بولے؟

داروغہ:۔ انارکلی بولی۔ صاحب عالم تلوار کھینچو! صاحب عالم نے کہا شہنشاہ کو آنے دو۔

اکبر:۔ اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر نہیں سنبھل سکتا اور گرنے لگتا ہے داروغہ بڑھ کر اسے دوڑ کر تھام لیتا اور تخت پر بٹھا دیتا ہے۔

اکبر (ذرا دیر بعد نظر اس کی طرف اٹھاتا ہے۔)

داروغہ:۔ (توقف کے بعد) میں نے انھیں اس کوشش کے انجام سے ڈرایا۔ اور وعدہ کیا۔ جہاں پناہ کے چلے جانے کے بعد خود انارکلی کے فرار میں امداد دوں گا۔ شہزادے کو یقین نہ آتا تھا۔ لیکن جب میں نے اس کام کے لئے رشوت طلب کی تو انھوں نے مان لیا۔ مگر ساتھ ہی دھمکی دی کہ وعدہ خلافی کی صورت میں ظل الٰہی کے حضور میں جھوٹی شہادت پہنچائی جائے گی۔ کہ تو نے رشوت لی ہے۔

(کمزور آواز میں) وہی دھمکی جو دلارام کو دی گئی تھی۔

داروغہ:۔ اس کے بعد میں انھیں حجرے میں لے گیا۔ اور وہاں ان کو بند کر کے

کے اطلاع دینے کے لئے بارگاہ میں حاضر ہوا۔

اکبر:- (منہ ہی منہ میں) یونہی ہونا تھا۔ یونہی ہونا تھا۔

داروغہ (لجاجت سے) صاحب عالم معصوم میں ترغیب خوفناک تھی۔

اکبر:- (سوچتے ہوئے پرمعنی انداز میں) ہاں ترغیب خوفناک ہے۔

داروغہ:- مجھے اندیشہ ہے صاحب عالم کل کوئی اور فتنہ نہ کھڑا کریں۔ (اکبر کچھ جواب نہیں دیتا۔ ساکت و جامد بیٹھا رہتا ہے۔ توقف غیر محدود معلوم ہوتا ہے۔

میں ظل الٰہی کے فرمان کا منتظر ہوں۔

رانی:- (سر جھکا کر خاموش ہو جاتی ہے (ذرا دیر بعد سر اٹھا کر) جو ہو چکا بدل نہیں سکتا جو آنے والا ہے اسے سدھاریئے۔

اکبر:- (مایوسی کے قلق اور غصے سے) اور کیا آئے گا! میرے دل کو اجاڑ دینے کے بعد وہ میرے جسم کو بھی ویران کر ڈالنے کا آرزو مند ہے۔

رانی (کیا کہتے ہیں مہاراج یہ سوچنے سے پہلے وہ اپنی جان گنوا ڈالے گا۔

اکبر:- (غم سے سر جھکا کر) اس کے وہی معنی ہیں ہم، ہماری آرزوئیں، ہماری راحت، ہماری زیست اس کے لئے بے معنی ہیں اس کا سب کچھ انارکلی ہے۔ اس کے دل میں ماں باپ کی یہ قدر ہے۔

رانی:- انارکلی ہے اس کے دل میں ماں۔

یہ جنوں آرام سے گزر جانے دیجئے اور پھر دیکھئے سلیم کیا بن جاتا ہے۔

اکبر:- (رانی کو تکتے ہوئے) اور یہ جنون کس طرح گزرے گا۔

رانی:- چڑھا ہوا دریا بندھ لگانے سے نہ رکے گا۔ اسے انارکلی کو لینے دیجئے وہ اسے اپنی بیگم بنا لے۔ انارکلی کا ہو کر وہ ہمارا بن جائے گا۔

اکبر:- (کچھ دیر سامنے دیکھتا رہتا ہے) اسے اپنا بنانے کے لئے ایک کنیز کا

ممنون احسان نہیں بننا چاہتا (توقف کے بعد) جو کچھ وہ چاہتا ہے خون میں خون کے
خلاف زہر ملانا جس کی سرگوشیوں نے قوانین فطرت کو توڑنا چاہا۔ لٹا ہوا باپ تھکا ہوا
باپ تھکا ہوا شہنشاہ ہارا ہوا فاتح اسے فنا کرے گا۔ مارے گا۔ مٹائے گا جس کی
سرگوشیوں نے قوانین کو جدا کیا یونہی وہ اپنی ماں سے جدا ہوگی۔ جس طرح اس نے
مجھے، عذاب میں ڈالا۔ یونہی وہ عذاب میں مبتلا کی جائے گی۔ جس طرح اس نے
میرے ارمان اور محبتوں کو کچلا۔ یونہی اس کا جسم کچلا جائے گا۔ لے جاؤ اکبر کا
حکم ہے سلیم کے باپ کا ہندوستان کے شہنشاہ کا لے جاؤ اس حسینہ فتنے کو۔
اس دلفریب قیامت کو لے جاؤ گاڑ دو زندہ دیوار میں گاڑ دو (اور دفعتہً غش
آجاتا ہے۔ اکبر بولتا بولتا کھڑا ہوگیا تھا۔ اور اس کا جوش جیسے اس کے قابو
سے نکل گیا تھا۔ تھک کر نیم بے ہوشی کی حالت میں مسند پر گر پڑتا ہے)

"پردہ"

منظر چہارم

زنداں کا بیرونی منظر۔

صبح پھیکے آسمان پر دو تین ٹمٹماتے ہوئے تارے حسرت آلود ہیں۔
فضا میں جیسے کسل اور اضمحلال ہے فطرت کا باسی منہ اترا اترا اور بے رونق ہے اور زندگی سو کر اٹھے ہوئے مزدوروں کی طرح ملول اور غمناک ہے زنداں کے دروازے کے دونوں طرف حبشی خواجہ سرا ننگی تلواریں لئے بت بنے کھڑے ہیں۔

داروغہ زنداں، اور دو اور خوفناک صورت حبشی خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں۔ زنداں کے دروازے کا قفل کھولتے ہیں۔ اور خاموشی سے اندر داخل ہوتے ہیں۔

انارکلی (اندر سے) سلیم!

(اور پھر انارکلی کی چیخ کی آواز آتی ہے اور سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ زنجیروں کے ہلنے کی آواز آتی ہے۔ اور تھوڑی دیر میں داروغہ اور خواجہ سرا، انارکلی کو لے کر نکلتے ہیں۔

انارکلی کی آنکھیں پھٹی ہوئی ہیں۔ ان میں سے زندگی بجھ چکی رنگت زرد ہے اور منہ ہی منہ میں بول رہی ہے۔ اور سامنے آسمان کی طرف بے معنی نظروں سے تک رہی ہے۔

دونوں خواجہ سرا تلوار نکالتے ہیں داروغہ ہتھکڑی کی زنجیر کھینچتا ہے۔ انارکلی چلتی ہے یوں جیسے نیند میں چلی جا رہی ہو۔ سب اس کو لے کر

خاموشی سے چلے جاتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد محافظ خواجہ سرا تلواریں
نیام میں کرتے اور رخصت ہو جاتے ہیں۔
مندر سے گھنٹوں کے ٹن ٹن کی آواز آنی شروع ہو گئی ہے۔ مسجد سے
اذانیں ضعیف کائنات کی دکھ بھری فریاد معلوم ہوتی ہے۔

"پردہ"

منظر پنجم

سلیم کا خیمہ برج والا ایوان۔

باہر نیلے آسمان اور مسجد کے گنبد اور میناروں پر دھوپ کھِل رہی ہے کہ دن چڑھ چکا ہے۔ اندر سلیم تخت پر بیہوشی کے عالم میں یوں پڑا ہے گویا کہیں سے لاکر لٹا دیا گیا ہے۔ ذرا سی دیر بعد حرم کی طرف کے دروازے کے پردے ہلتے ہیں اور دلآرام سر نکال کر جھانکتی ہے۔ جب اطمینان ہو جاتا ہے کہ سلیم غافل ہے تو وہ دبے پاؤں اندر آتی ہے۔ اندر آہستہ آہستہ پنجوں کے بل چلتی ہے۔ سلیم کے قریب پہنچ کر تھم جاتی ہے۔

دلآرام۔ (کچھ دیر خاموشی سے تکتی ہے) تو غافل سو رہا ہے اور موت کا منہ تیری انارکلی پر بند ہو چکا ہے۔ تیری زندہ انارکلی کے گرد اینٹیں اور پتھر چنے گئے اور اس کا حسن خاک میں غروب ہو گیا۔ اس کی نزع کی چیخیں تیری نیند میں نہ پہنچیں۔ میری ہڈیوں میں کسوں گونج رہی ہیں (سر جھکا کر آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھاتی اور سامنے کو تکنے لگتی ہے) لیکن میرا کیا قصور۔؟ یہ ستاروں کے کھیل ہیں۔ کون ان کی پراسرار چال کو سمجھ سکتا ہے۔ اور کون جانتا ہے جب وہ مسکراتے ہیں تو کیا ہوتا ہے۔ (سلیم کراہ کر کروٹ لیتا ہے) دلآرام حرم کے دروازے کی طرف بھاگتی ہے سیڑھیاں چڑھ کر رکتی ہے اور مڑ کر دیکھتی ہے کہ سلیم کروٹ بدلنے کے بعد پھر غافل ہو گیا ہے۔ تامل کے بعد ایوان میں آجاتی ہے۔ سلیم کو تکنے لگتی ہے) پر تم جاگ کر کیا کرو گے شہزادے۔ اس خبر کو سن کر آنسو بہاؤ گے یا جنون میں کچھ کر ڈالو گے!

(سلیم پھر کروٹ بدلتا ہے) دلآرام پھر حرم کے دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔ مگر موت کو جی نہیں چاہتا۔ آخر جلدی سے بڑھتی ہے اور دوسرے دروازے سے

پردہ کے پیچھے چھپ جاتی ہے۔

سلیم آنکھیں کھول دیتا ہے اور ذرا دیر چپ چاپ پڑا سا کن نظروں سے چھت کو تکتا ہے۔ پھر اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیتا ہے کچھ دیر بعد چونک کر حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ آنکھوں پر ہاتھ پھیرتا ہے) کیا ہو گیا ہے۔ کھڑا ہوتا ہے مگر لڑکھڑا کر بیٹھ جاتا ہے) میرا اپنا ایوان! میں انارکلی کے پاس تھا۔ اس کا سانس اب تک میری پیشانی پر تازہ ہے (سوچنے لگتا ہے) ہاں داروغہ آیا تھا۔ اور ظلِ الٰہی۔ داروغہ مجھے اپنے حجرے میں لے گیا۔ میں نے اس کے انتظار میں ایک زندگی کا پورا عذاب دیکھا۔ اور پھر وہ لوٹا۔ ہاں وہ لوٹا۔ اور پھر؟ ہم انارکلی کی طرف جانے لگے۔ اور وہ تھم گیا۔ ہم نہ گئے۔ اس نے مجھے تازہ دم کرنے کے لئے ایک شربت دیا۔ اور پھر۔؟ کچھ نہیں۔ اور پھر۔؟ ہم کچھ نہیں۔ اب میں یہاں ہوں۔ یہ کیا اسرار؟ کیسے ہوا؟ (سوچتا سوچتا یکلخت چونک پڑتا ہے) خداوندا یہ تمام منصوبہ تھا۔ کاش نہ ہو۔ کاش نہ ہو۔ نہیں تو کیا ہوا ہوگا۔ میری انارکلی۔ میری! اِدھر اُدھر یوں دیکھ کر جیسے بدن میں یکلخت بجلی بھر گئی ہو۔ مجھے ابھی معلوم ہونا چاہیئے میری تلوار، دیکھتا ہے تلوار نہیں ہے) میری تلوار! میری تلوار! (جس میز پر تلوار رکھی ہوئی تھی وہاں جا کر دیکھتا ہے نیام خالی ہے۔ پھینک دیتا ہے۔ یہ کیا؟ ایک سکتے کے عالم میں رہتا ہے۔ اور پھر یکلخت سلیم بھاگ کر دیوانے کی طرح چلا کر باہر جانے کے لئے دروازے کی طرف بھاگتا ہے۔) دروازے میں سے ایک جلاد تلوار لئے ہوئے نکل آیا۔ اور جھک کر تعظیم بجا لاتا ہے۔

سپاہی۔ صاحب عالم ایوان سے باہر نہیں جا سکتے۔

سلیم۔ کیوں؟

سپاہی۔ ظلِ الٰہی کا فرمان ہے۔

سلیم - ظلِ الٰہی کا فرمان کس لئے ؟

سپاہی - صرف ظلِ الٰہی جانتے ہیں -

سلیم - میں قید ہوں - ؟

سپاہی - صاحب عالم کی راحت کے سب سامان مہیا کئے جا سکتے ہیں -

سلیم - اور میں باہر نہیں نکل سکتا ؟

سپاہی - ہم مجبور ہیں -

سلیم - (جلال کے عالم میں) میں جاؤں گا -

سپاہی - (سکون سے) کوشش بے سود ہے - ہر طرف مسلح سپاہی ہیں آگے دروازے میں قفل ہیں - اور دروازوں کے باہر بھی مسلح سپاہی ہیں -

سلیم - بے بسی کے احساس سے غضبناک ہو کر میں تم کو مار ڈالوں گا -

سپاہی - (اسی سکون سے) لیکن دروازے بہت مضبوط اور باہر سے مقفل ہیں -

سلیم - (کچھ دیر سوچتا ہے اور شدت غم سے آنکھیں بند کر لیتا ہے) آہ ! میں بے بس ہوں خداوندا - !

سلیم (مسند پر گر پڑتا ہے)

سپاہی - میں ڈیوٹی میں احکام کا منتظر ہوں -

(سپاہی جاتا ہے)

سلیم - (بے چارگی کے احساس سے مغلوب ہو کر سر تکیے پر رکھ دیتا ہے) سب کچھ ہو چکا - انہیں سب معلوم ہو گیا - محبت بچھڑ گئی - آرزوئیں اجڑ گئیں - (بیقراری سے سر ہلا کر) کچھ نہیں ، صرف آنسو ، صرف آہیں (بیٹھ کر مٹھیاں آسمان کی طرف اٹھا دیتا ہے) تقدیر ! صرف ایک جسم اور اتنا عتاب کیسی خوشیاں دیدی تھیں - کن راحتوں کی قیمت لینی تھی - یہ بے بسی یہ مجبوری یہ اسیری اور صرف

آہیں اور آنسو ہیں۔

کونسے قہقہے تجھ سے چھین لئے تھے۔ (تکیئے پر سر رکھ کر رونے لگتا ہے) کہیں یہاں جدا کر دیئے گئے۔ ایک دوسرے سے نوچ کر الگ الگ ڈال دیا گیا۔ خون روؤں اور وہ، کہاں دیواروں سے سر پھوڑے کھلی آنکھوں سے سوچتے ہوئے) اور کون جانے میری اولاد کے لئے۔ اس کے لئے کیا ہو گا۔ نہیں نہیں کچھ اور نہ ہو میں دم توڑ دوں گا۔ زندہ نہ بچوں گا۔ (پھر تکیئے میں منہ چھپا کر رونے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھاتا ہے آنسو پونچھ ڈالتا ہے۔ اور استقلال کی تصویر بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ موت تو پھر یوں ہی ہو۔ میں حرم میں گھس جاؤں گا۔ ظلِ الٰہی کے روبرو اور خدا ہی جانتا ہے پھر کیا ہو گا۔ (حرم میں جانے کے لئے سیڑھیوں کی طرف بڑھتا ہے۔ لیکن دو ہی سیڑھیاں چڑھنے پاتا ہے کہ ڈیوڑھی کی طرف کا پردہ کھلتا ہے۔)

(بختیار داخل ہوتا ہے چہرے پر تفکر اور تردد ہے۔)

بختیار۔ سلیم!

سلیم۔ آہ بختیار تم آ گئے۔ لپک کر اس کے قریب جاتا، اور اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ میرے دوست! میرے مخلص! میری امید مجھے بتاؤ۔ نہیں جانتا ہوں کیا پوچھوں سب کچھ بتاؤ۔ نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ وہ زندہ ہے۔

بختیار۔ (سلیم کو حسرت ناک نظروں سے دیکھتے ہوئے) میں گھر سے سیدھا یہاں آ رہا ہوں۔

سلیم۔ لیکن تمہیں معلوم ہو گا۔ بہت کچھ ایک بے بس قیدی سے بہت زیادہ۔

بختیار۔ (نظریں جھکا کر) میں کچھ نہیں جانتا۔

سلیم۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟ میں جانتا ہوں تم مجھے چاہتے ہو، تمہارا دوست قید ہے۔ لیکن تم پھر بھی اس سے نفرت نہیں کر سکتے میری محبت تمہیں تالوں اور تلواروں میں کھینچ لائی۔ تم نے کن دشواریوں سے یہاں آنے کی اجازت پائی ہوگی۔ اور تم انارکلی کے احوال سے بے خبر یہاں آ گئے ہو گے۔ نہیں تم مجھے ستانا چاہتے ہو۔ مگر بختیار تمہارے پس و پیش میں موت کا کرب ہے۔ میرا دل سینے سے ٹکریں مار رہا ہے۔ مجھے انارکلی کی خبر سنا دو۔

بختیار۔ (منہ موڑتے ہوئے) میں اس کی کوئی خبر نہ حاصل کر سکا۔

سلیم۔ اس کی خبر حاصل نہیں کر سکے تم؟ مجھ سے کتنی مختلف بات! تم بختیار نہیں رہے۔؟ میرے دوست نہیں رہے۔؟ میں سلیم نہیں رہا تمہارا شہزادہ نہیں رہا۔ بختیار کا ہاتھ چھوڑ کر سر جھکاتا ہے۔ ہاں تو احمق شہزادہ نہیں رہا۔ بختیار شہزادے کی خدمت بجا لاتا تھا۔ اب تقدیر نے منہ موڑ لیا ہے۔ اسے سلیم سے ایک ذلیل قیدی سے کچھ سروکار نہیں رہا۔ (مایوس و دل شکستہ انداز میں وہ سیڑھیوں سے اتر کر ایوان میں آ جاتا ہے۔)

بختیار۔ (اس کے پیچھے اشک آلود آنکھوں کے ساتھ سیڑھیوں سے اترتے اترتے) جان سے عزیز دوست! یہ نہ کہو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔

سلیم۔ (بے قراری سے اس کی طرف مڑ کر)

بختیار۔ کچھ نہ پوچھو۔ للہ مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ (آنسو چھپانے کو منہ دوسری طرف کر لیتا ہے)

سلیم۔ (آنسو دیکھ لیتا ہے) آنسو! خداوندا! لپک کر اس کے قریب آتا اور شانوں سے پکڑ کر اس کا منہ اپنی طرف کرتا ہے۔ بختیار کچھ کہو، بدترین خبر بتاؤ۔ مگر کچھ تو بتاؤ۔

بختیار۔ (سلیم سے نظریں چار کرنے کی جرأت نہیں پڑتی۔ بھرائی ہوئی آواز میں) سب کچھ ہو چکا۔ میرے شہزادے سب کچھ ہو چکا۔ بتانے کو کچھ باقی نہیں رہا۔ تم نے کیا کہا۔ کچھ باقی نہیں رہا۔

بختیار۔ امیدیں، آرزوئیں، امنگیں، حوصلے سب مٹ گئے (سلیم کو دیکھ کر) سلیم تمہارا سب کچھ فنا ہو گیا۔

سلیم کی نظریں بختیار سے ملتی ہیں۔ بختیار کے چہرے پر دکھ ہے۔ سلیم کا چہرہ بالکل خالی ہے۔ سکوت ٹیسوں سے بھرا ہوا ہے۔ ذرا دیر دونوں ایک دوسرے کو تکتے رہتے ہیں۔ سلیم سب کچھ سمجھ جاتا ہے۔ اس کا سر جھک کر سینے پر آپڑتا ہے اور وہ گھڑا کھڑا اسا نیچے کو گرنے لگتا ہے۔ بختیار سلیم سلیم! کہتا ہوا بڑھتا ہے اور اسے سنبھال لیتا ہے۔ پھر اپنے ساتھ لے کر مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ سلیم کی آنکھیں بند ہیں اور سر بختیار کی گود میں رکھا ہے۔ میرے شہزادے! میرے بادشاہ! میری روح ہوش میں آؤ۔ مرد بنو دیکھو میں کیا کہتا ہوں، آنکھیں تو کھولو (سلیم کو ہلا کر) آؤ ہم انارکلی کو یاد کر یں۔ بیٹھے کیوں رہے ہو۔ جواب دو سلیم سلیم کو پریشان نظروں سے ادھر ادھر یوں دیکھتا ہے گویا کسی کو امداد کے لئے پکارنا چاہتا ہے۔

سلیم۔ (کچھ دیر بعد آہستہ سے) کہیں نیچے اترا جا رہا ہوں۔ بختیار مجھے گود میں بھینچ لو۔

بختیار۔ میرے سینے کے ساتھ میری جان کے ساتھ ہو تم۔ آنکھیں تو کھولو میری خاطر سے سلیم، خدا کے لئے آنکھیں کھولو۔ دیکھو میری بات سنو۔

سلیم۔ (اسی طرح پڑے پڑے ہلکے سے) انارکلی! بختیار! انارکلی!

بختیار۔ دیکھو وہ تمہیں دیکھ رہی ہے۔

سلیم۔ کہاں۔؟

بختیار۔ تم اسے نہیں دیکھ سکتے مگر تمہاری بے قراری اس کی روح کو بے چین کر رہی ہے تم ناشاد کو مر کر بھی اطمینان حاصل نہیں کرنے دیتے تم ہوش سنبھالو وہ بہشتی ہو گی فردوس میں حوروں کے پاس چلی جائے گی۔

سلیم۔ چپ بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے۔ بختیار آنسو بھری آنکھوں سے اسے تک رہا ہے۔ آخر لقاہت سے، مجھے بٹھادو۔

(بے حس و حرکت بیٹھا اندیشہ ناک نظروں سے سلیم کو دیکھتا رہتا ہے)

نہیں ہیں نہیں بیٹھوں گا۔

بختیار۔ کیوں میرے شہزادے۔؟

سلیم۔ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔

بختیار۔ (سلیم پر نظریں گاڑتے ہوئے) کیا۔؟

سلیم۔ بختیار کا سہارا لے کر اٹھ بیٹھا سرہانے کی طرف جھک رہا ہے چہرے پر زردی چھائی ہوئی ہے۔ آنکھیں ساکت ہیں۔ ہاتھ جیسے بے جان ہیں زندگی کی کل کا ایک بیکار پرزہ معلوم ہو رہا ہے۔ کچھ دیر کے بعد سر اٹھاتا ہے۔ اور سامنے اس طرح سے دیکھنے لگتا ہے کہ کہیں دیکھتا معلوم نہیں ہوتا۔ بختیار تم مجھے چاہتے ہو۔؟

بختیار سلیم! تم اس میں شبہ بھی کر سکتے ہو۔؟

سلیم۔ ایک کام کرو۔

بختیار۔ کیا چاہتے ہو۔؟

سلیم۔ ایک خنجر لادو۔

بختیار۔ (اٹھ کر سلیم کے سامنے آ بیٹھتا ہے) تم کیا سوچ رہے ہو۔؟

سلیم۔ کچھ نہیں۔ مجھے انارکلی کے پاس پہنچنا ہے۔

بختیار۔ (چہرے پر دکھ رکھتا ہے) سلیم خدا کے لئے۔

سلیم۔ یہ مقرر ہے۔

بختیار۔ رسول کے لئے۔

سلیم۔ (غصہ سے) خنجر لاؤ یا دور ہو جاؤ۔

بختیار۔ سلیم کچھ سمجھو۔

سلیم۔ (اور غصہ سے) خنجر لاؤ یا دور ہو جاؤ۔

بختیار۔ (سلیم کے غصہ سے ڈر کر کھڑا ہو جاتا ہے) سلیم مجھ پر رحم کرو۔

سلیم۔ یوں اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے جیسے رک جانے کے بعد زندگی ریلا کر کے اس کے جسم میں واپس آ گئی ہو۔ کچھ نہیں یہاں سے نکل جاؤ اٹھو، دور ہو۔ اسی وقت اسی لمحے۔ اس گھڑی میں تنہائی چاہتا ہوں۔ بختیار کو نکالنے کے لئے اس کی طرف بڑھتا ہے۔ حرم کے دروازے سے ثریا داخل ہوتی ہے۔ اور چبوترے پر چپ کھڑی ہو جاتی ہے (سلیم ثریا کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے) ثریا ننھی! تو رو نہیں رہی۔ وہ زندہ ہے۔ (سلیم ثریا کی طرف بڑھتا ہے)

ثریا۔ وہاں کھڑے کھڑے ہاتھ اٹھا کر) میرے قریب نہ آ۔

سلیم۔ (حیرت میں) کیا؟

ثریا۔ ذرا رکھو ارادہ۔

سلیم۔ ثریا!

ثریا۔ تیمور کی نام اولاد۔ ہندوستان کے بزدل ولی عہد! میری بہن کی جان لے کر تو ابھی زندہ موجود ہے۔ پھول کو کھا جانے والے کیڑے تو نے اس کی جان کو اپنی جان کہا تھا۔ جھوٹے! تو نے اس کو بچا لینے کا وعدہ کیا تھا۔ بے حیا۔! اس کوشش میں تو نے اپنی جان اتار کلی کی بڑھیا ماں کے ناپاک قاتل۔ تجھ پر بیکس کا

جب ٹوٹے تجھ کو مظلوم کی آہیں پھونکیں تجھ کو بے بسی کے آنسو غرق کریں۔

بختیار۔ لڑکی! خاموش خاموش۔

سلیم۔ (سر جھکا کر) ثریا دنیا کی کوئی لعنت، کوئی بددعا باقی نہ چھوڑ دو۔ اور جب تیرا دل بھر جائے تو صرف اتنا کر کہ مجھے انارکلی کے راستے پر لگا دے۔ میری ثریا، میرا راستہ کھو گیا۔ ننھی تیرا انارکلی کا سلیم راستے پر پڑا ہوا تھا۔ مگر لٹ گیا۔ بے بس کر دیا گیا۔

ثریا۔ ظالم اکبر کے دروغ گو بیٹے تجھے راستہ نہیں ملتا۔ میری جیتی جاگتی حور جیسی بہن کے گرد دیوار چن ڈالی گئی۔ وہ ناشاد زندہ گاڑ دی گئی۔ اس کی سلیم سلیم کی آخری چیخیں آسمان میں شگاف کرتی رہیں۔ وہ گڑگڑاتی چلی گئی۔ اور سلیم کے سوا اس کے منہ سے کسی کا نام نہ نکل سکا۔ اس کی پھٹی ہوئی آنکھیں اینٹوں میں چھپ جانے سے پہلے صرف تجھ کو تیری نحس صورت کو ڈھونڈتی رہیں اور تو یہاں پہروں میں گدیلوں پر جان کو لئے بیٹھا ہے۔

سلیم۔ (آنکھیں پھٹی پڑ رہی ہیں) زندہ دیوار میں۔ اپناہ تیری پناہ میرے گرد کس جہنم کا منہ کھل گیا۔ میرے آنکھوں کے سامنے چڑیل تو نے کس ہیبت کا نقشہ کھینچ دیا۔

ثریا۔ وہ تھرتھراتی ہوئی نازنین پتھروں میں ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئی۔ اس کا دھڑکتا ہوا دل۔ دوڑتا ہوا لہو۔ دیوار میں غرق ہونے کے بعد تھم گیا۔ اور تجھے اس پکار راستہ نہ ملا۔ موت نہ آئی۔

سلیم۔ (پاگلوں کی طرح کبھی اپنے آپ سے کبھی بختیار سے) دیوار بند ہو گئی۔ اس پر دیوار بند ہو گئی۔ وہ پتھروں میں ڈوب گئی۔ ہمیشہ کے لئے ڈوب گئی۔ میرا دم پتھروں میں رکا ہوا سانس، بند نظریں، تھما ہوا لہو۔ مجھے پکار رہا ہے۔

چیخ چیخ کر پکار رہا ہے۔

بختیار۔ (سلیم کو آغوش میں لے کر) سلیم، سلیم! تمہیں کیا ہو گیا۔ نامراد لڑکی! تو نے کیا کر دیا؟

ثریا۔ خوشامدی کتے! میری بہن کی روح دوسرے جہان میں اس کے لئے بے تاب ہے۔ میں اسے یوں نہیں چھوڑ دوں گی۔ میں اپنے آخری سانس کو اس کے لئے لعنت بنا دوں گی۔ میں اس کے لئے زندگی کو موت سے بدتر بنا دوں گی۔ میں اسے خود کھینچ کر موت کے منہ میں لے جاؤں گی (سلیم بختیار کی آغوش سے یکلخت الگ ہو کر دیوانہ وار دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔)

بختیار۔ (اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے) سلیم کہاں جا رہے ہو۔؟

سلیم۔ میں اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ اس محل کو اس قلعے کو کھنڈر بنا دوں گا۔ پتھر دں کو اگلنا ہوگا۔ میری انارکلی کا جو کچھ باقی ہے وہ اگلنا ہوگا میرا آغوش اپنی جان اس کے جسم میں ڈالے گا۔ ورنہ ایک ہی کھنڈر پر دونوں چمٹ کر تمام ہوں گے۔

بختیار۔ راہ بند ہے۔

سلیم۔ (مڑ کر دروازے کی طرف بڑھتا ہے) راہ بند ہے۔ تو میری ٹکریں راہ بنائیں گی۔ (پردہ دیوار پر سے نوچ ڈالتا ہے) راہ بند ہے۔ دیکھتا ہے تو۔ پیچھے دلآرام سہمی ہوئی کھڑی جنون کو دیکھ کر کانپ رہی ہے سلیم پاگلوں کی طرح اسے تکتا رہتا ہے۔ انارکلی تو دیواروں ہی میں سے میرے پہلو میں آ پہنچی

دلآرام۔ (خوف کے مارے گلا خشک ہے) صاحب عالم۔

ثریا۔ اندھے! یہ انارکلی ہے یا وہ سموم جس نے انارکلی کو پھونک ڈالا۔

دلآرام۔ انارکلی کی قاتل تیرے سامنے کھڑی ہے۔ اس نے انارکلی کو گرفتار کرایا۔

جشن کی رات یہ اکبر کے حضور میں موجود تھی۔ اس نے قتل کا حکم دلوایا۔ کل کی رات یہ اکبر کی خوابگاہ میں گئی تھی۔ انارکلی کا سانس بند ہے۔ اور یہ سانس لے رہی ہے انارکلی کے جسم سے زندگی کی آخری رمق مٹ چکی ہے۔ اور اس کے جسم میں لہو جاگ رہا ہے۔ مار، مار، میرا کلیجہ ٹھنڈا کر۔ اس نے انارکلی کی رُوح کو مٹا دیا۔

دلآرام۔ (تھرتھر کانپتے ہوئے) میں نے موت کی سزا نہیں دلوائی۔ داروغہ زنداں نے دلوائی ہے۔ میں بے قصور ہوں۔ بے قصور ہوں۔

سلیم لپک کر اس کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا اور دبانا شروع کرتا ہے۔ آخر کار انارکلی کو گھونٹ ڈالنے والے ہاتھ۔ تو مجنوں سلیم کے ہاتھ آ گیا۔ اب اس کے ہاتھ تیرے خون کی ایک بوند سے انارکلی کا انتقام لیں گے۔

بختیار۔ (سلیم کو الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے) دیوانے ہو گئے ہو، میرے سلیم، میرے شہزادے۔ دلآرام پر سلیم کی گرفت بہت مضبوط ہے۔ ظلِ الٰہی۔ ظلِ الٰہی! (گھبرا کر اکبر کو اطلاع دینے جاتا ہے)

سلیم۔ گرفت ڈھیلی کر دیتا ہے۔ ان آنکھوں کی چمک کہاں گئی۔ ان گالوں کی سرخی اور تازگی کیا ہوئی؟ ایک خشک اور بے بس قہقہہ لگا کر دلآرام کو پیچھے پٹخ دیتا ہے۔ خود مسند پر بیٹھ کر ہانپنے لگتا ہے۔ (ثریا چبوترے پر آنکھیں بند کئے چپ چاپ کھڑی ہے) اکبر باہر کے دروازے سے گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے اور جلدی جلدی سیڑھیاں اتر کر سلیم کے قریب آتا ہے۔)

اکبر۔ شیخو یہ کیا ہے؟ تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟

سلیم۔ (کچھ دیر چپ چاپ اکبر کو تکتا رہتا ہے) تم کون ہو؟

اکبر۔ (فکر مند نظروں سے) شیخو اپنے باپ کو پہچانو۔

سلیم۔ (سر ہلا کر منہ پھیر لیتا ہے) شیخو کا کوئی باپ نہیں وہ مر چکا۔ تم ہندوستان کے شہنشاہ ہو۔ جہانبانی کے باپ، دولت کے نشہ میں انارکلی کے قاتل، سلیم کے قاتل۔ تمہاری پیشانی پر خون کی لہریں ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں جہنم کے شعلے ہیں۔ تمہارے سانس میں نعش کی بو ہے۔

اکبر۔ (ایک رنگ چہرے پر آتا ہے ایک جاتا ہے) شیخو!۔

سلیم۔ شیخو تمہارا بچہ نہیں۔ دیکھو تمہاری وہ پڑی ہے (دلآرام کی طرف اشارہ کر کے) جاؤ اس سے لپٹو۔ اور اس پر آنسو بہاؤ۔

اکبر۔ دلآرام۔!

سلیم۔ ہاں تمہارے قید خانے کی کلید، تمہارے خون کا فرمان۔ تمہارا کھیل ڈالنے والا پتھر۔

اکبر۔ (آنکھیں بند کر کے) خداوندا یہ دن بھی دیکھنا تھا۔

سلیم۔ اس کی سرد نعش میں روح پھینکے کو رکی ہوئی ہے کہ میں نے سلیم کو چاہا۔ اور اس نے انکار کیا۔ اس نے انارکلی کو چاہا اور میں نے انتقام لینے کے لئے انارکلی کو برباد کیا۔ جاؤ اس سے سینہ اور کلیجہ ٹھنڈا کرو۔ اور پھر اپنے فرزند دارِ غۂ زندان کو بلاؤ۔ اس پیسے کے کمینے غلام کو جس نے دولت پر انارکلی کو بیچنا چاہا۔ اور تمہارے ہاتھ اس لئے بیچ ڈالا کہ تم زیادہ امیر تھے۔

اکبر۔ کھوئی نظروں سے سامنے تکتے ہوئے۔) شیخو یہ سچ ہے۔؟

(غضبناک ہو کر) اس سے انتقام لیا جائے گا۔

ثریا۔ اس سے۔ اور شہنشاہ تم سے نہیں؟ تم بچ جاؤ گے؟۔ آسمان نہ ٹوٹے۔ بجلیاں نہ گریں۔ زلزلے نہ اٹھیں۔ لیکن یہ چنگاری جسے دوزخ

کی ہوائیں شروع کر رہی ہیں تم کو اور تمہارے محلوں کو، تمہاری سلطنت کو سب کو پھونک کر راکھ بنا دے گی۔ (غصے میں سیڑھیاں اتر کر اکبر کی طرف بڑھتی ہے مگر پاس پہنچنے کے بعد جب اکبر اس پر نظر ڈالتا ہے تو سہم جاتی ہے)

اکبر۔ (سلیم کی طرف بڑھتا ہے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے سلیم کھڑا ہوا آنکھیں بند کئے چپ چاپ بیٹھا ہے) سلیم تم ہوش میں آ گئے۔ تم سن سکتے ہو۔ تم سمجھ سکتے ہو؟

سلیم۔ (ہلکی آواز میں) مجھے کوئی لگ رہا ہے۔ مجھے کوئی گھونٹ رہا ہے۔ ویرانوں میں سے چیخیں آ رہی ہیں۔ دیواروں میں سرگوشیاں ہیں۔ ہوا کی مانند لرز رہا ہے؟ سلیم یک لخت کانپ اٹھتا ہے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ کیا ہے۔؟ میں کہاں ہوں۔؟ (اکبر کو دیکھ کر) تم کون ہو۔؟ ظل الٰہی! اللہ کر دو زانو ہو جاتا ہے) تم شہنشاہ ہو۔ غنی ہو۔ رحیم ہو۔ مجھے ایک خنجر لا دو۔ میں اس سب کے بعد بھی تمہیں باپ کہوں گا۔ تمہارے قدموں میں سر رکھ دوں گا۔ تمہارے ہاتھ چوم لوں گا۔ تم مجھے ایک خنجر لا دو۔

اکبر۔ (آنکھوں میں آنسو امڈ آتے ہیں) خداوندا کیا معلوم تھا۔ یوں ہو گا۔ شیخو۔ میرے مظلوم بچے میرے مجنوں بچے۔ اپنے باپ کے سینے سے چمٹ جا۔ اگر ظالم باپ سے دنیا میں ایک بھی راحت پہنچی ہے تیرے سر پر اس کا ایک احسان بھی باقی ہے تو میرے بچے اس وقت میرے سینے سے چمٹ جا۔ میں شعلوں میں بھن رہا ہوں، میرے سینے سے چمٹ جا۔ اور تو بھی آنسو بہا۔ اور میں بھی آنسو بہاؤں گا۔ (اکبر ہاتھ پھیلاتا ہے۔ سلیم کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور ذرا دیر باپ کو دیکھتا رہتا ہے۔ سلیم منہ موڑ لیتا ہے۔ اور ہاتھ پیشانی پر رکھ کر خاموش مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ اکبر کے ہاتھ مایوسی سے گر پڑتے ہیں۔)

مجھے جھومت ایک دفعہ مجھے باپ کہہ دے صرف ابا کہہ کر پکار دے آنسو اور زیادہ امنڈ آتے ہیں) میں تجھے خنجر لا دوں گا۔ ہاں خنجر تک لا دوں گا۔ مگر بیٹا یہ بد نصیب باپ جسے سب شہنشاہ کہتے ہیں اپنا سینہ ننگا کر دے گا۔ خنجر اس کے سینے میں بھونک دینا۔ پھر تو دیکھے گا۔ اور دنیا بھی دیکھے گی کہ اکبر باہر سے کیا ہے، اندر سے کیا ہے۔ اکبر کا قہر، اکبر کا ستم اور اکبر کا ظلم کیوں ہے۔ اس کی آنکھ میں قطرہ نہیں ایک بوند نہیں وہ سب کا سب شیخو کا باپ ہے صرف باپ۔ وہ بادشاہ ہے تو تیرے لئے وہ مزدور ہے وہ قاہر اور جابر بھی ہے۔ تو تیرے لئے، وہ تیرا غلام ہے۔ اور میرے جگر کے گوشے غلاموں سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں (اکبر سسکیاں بھرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے۔ وہ ضبط کی کوشش کرتا ہے۔ رانی گھبرائی ہوئی حرم کے دروازے سے داخل ہوتی ہے جلدی سیڑھیاں اتر کر اندر آتی ہے۔ اور مسند پر بیٹھ کر سلیم کو آغوش میں لے لیتی ہے سلیم ہوا میں بے معنی نظروں سے تک رہا ہے۔

رانی۔ میرا سلیم، میرا سلیم۔ لٹا ہوا بچہ۔ زخمی جگر کا ٹکڑا۔ میرا نامراد شہزادہ۔ آگے جھک کر کہاں دیکھ رہا ہے۔ چندا ہوا میں کیا ہے؟

سلیم۔ (آہستہ سے) وہ تک رہی ہے وہاں راستہ دیکھ رہی ہے اس کے فق چہرے پر فریاد ہے۔ دھندلی آنکھوں میں انتظار ہے۔ نیلی ہونٹ پر سلیم ہے (بے تاب ہو کر) مجھے وہاں بھیج دو۔ میری کوئی ماں ہے۔ تو بھیج دے میرا کوئی باپ ہے تو بھیج دے۔ اس محل میں کوئی انسان ہے تو بھیج دے۔ بد نصیب روح کا، معصوم انارکلی کا صبر نہ لو۔ اجڑ جاؤ گے۔ اس دنیا میں دو بد نصیب روحیں سائیں سائیں کریں گی۔ دیواروں میں پناہ نہ ہوگی۔ قبر میں پناہ نہ ہوگی۔ آسمان تک میں پناہ نہ ہوگی۔

رانی ۔ (آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے) دیکھا مہابلی دیکھ لیا تمہارے سینے میں ٹھنڈک پڑ گئی ۔ جاؤ اپنے تخت پر جاؤ ۔ حکومت کرو ۔ فتحیں پاؤ ۔ اولاد کو برباد کیا ۔ ماں کو خون رلایا ۔ اور کیا چاہتے ہو ۔؟

اکبر آنسو پونچھتا ہوا بھاری قدموں سے سیڑھیوں کی طرف جاتا ہے)

سلیم ۔ (ماں سے لپٹ کر روتے ہوئے) اماں انارکلی ۔ اماں ۔ انارکلی!

رانی ۔ (سلیم کو لپٹا کر اور اپنا رخسار اس کے سر پر رکھ کر) میرے لال وہ زندہ رہے گی ۔ وقت کی گود میں زمانہ کی آغوش میں ۔ یہ لاہور اس کا نام زندہ رکھے گا ۔ دنیا اس کی داستان سلامت رکھے ۔ اور تو بھی اور دور دراز کی نسلیں بھی اس پر آنسو بہائیں گی ۔ سن رہے ہو چاند ۔؟

(سلیم ماں کے سینے سے سر لگائے رو رہا ہے، ماں سلیم کے سر پر شفقت مادری کا سکون ریز ہاتھ پھیر رہی ہے ۔)

اکبر دل شکستہ اور آنسو بہاتا ہوا یوں سیڑھیاں چڑھ رہا ہے گویا ان کے اوپر نامرادی اور غم نصیبی کا ویرانہ ہے ۔ اور اس نے اپنے لئے اسی کو پسند کر لیا ہے ۔)

"پردہ"

ختم شد